ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہار دہم)

حقیقی نجات کا حقدار کون؟

پس اے نادانو! خوب سمجھو، اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو نہیں بلکہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے اور رسول کریم کے پاک جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں سے تعظیم سے پیش آتے ہیں اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔ (شہادت القرآن)

اداریہ

فخرِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

''اللہ نے تمہاری طرف ذکر اتارا ہے۔(وہ) رسول وہی جو تم پر اللہ کی کھلی آیتیں پڑھتا ہے تاکہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالے''(الطلاق 11,1065)

سورۃ الطلاق کی دونوں آیات کے اس حصہ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ''ذکر'' کو اللہ تعالیٰ نے یہاں ''رسول'' سے بدل دیا ہے اور رسول اللہ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بھیجنے کو یہاں ''انزل'' سے تعبیر کیا ہے۔ گویا قرآن اور رسول کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ حقیقت میں دونوں اہمیت میں ایک ہی ہیں۔ ایک الفاظ کی صورت میں ہے اور دوسرا جسم انسانی کی شکل میں۔ اس آیت کی تشریح حضرت عائشہؓ کے اس قول سے بخوبی ہوجاتی ہے کہ ''جس نے آپؐ کی سیرت کے بارے میں جاننا ہو وہ قرآن کا مطالعہ کرلے'' یعنی قرآن کے ذریعہ سیرت النبیؐ کے تمام پہلوؤں سے مکمل آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس قول کی صداقت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ تمام سیرت نگار جو آج تک سیرت کے متعلق لکھتے چلے آرہے ہیں ان سب کا ماننا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ یا سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن مجید ہی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں رسول اللہ کی ذات وصفات، آپؐ کی بعثت کے کوائف، دعوت وتبلیغ کی مساعی، جنگوں کے واقعات، مشرکین ویہود سے اہم مباحثات، آپ کے معاہدات، آپؐ کا اپنوں اور بیگانوں سے سلوک اور آپؐ کے پیدا کردہ انقلاب کی نوعیت وغیرہ کا تذکرہ ہر جا بکھرا نظر آتا ہے۔ قرآن مجید نے آپؐ کی ذات کے تمام پہلوں پر روشنی ڈال دی ہے۔ آپؐ کے کامل البشر ہونے کی دلیلیں جا بجا ملتی ہیں لیکن کہیں آپؐ کے فوق البشر ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ آپؐ کی سب سے بلند واعلیٰ حیثیت اللہ کا رسول ہونے کی ہے۔ اللہ کا یہ رسول خدا کے نور کو انتہائی کامل طور پر جذب کرتا ہے اور اس نور سے انسانیت کو اسوۂ حسنہ سے منور کرتا ہے۔ اللہ کا یہ رسولؐ انسان کامل ہے اور اس کا کام تعلیم وتربیت ہے رسول اکرم صلعم نے دنیوی اور دینی معاملات سے متعلق بھی تمام امور کو کما حقہ سرانجام دیا ہے۔ نبی یا رسول کو جو چیز تمام دوسرے انسانوں سے ممیّز کرتی ہے وہ اس کا صاحب وحی اور حامل کتاب اللہ ہونا ہے۔ وہ اپنی خواہش اور مرضی سے کچھ نہیں کرتا بلکہ اس کا ہر ہر فعل اللہ کی خواہش اور نگرانی میں ہوتا ہے۔ تمام انبیاء ورسل احکام الٰہی کی عملی تصویر ہوتے ہیں لیکن جس ذات میں ان تمام صفات کا اتمام واکمال نظر آتا ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔ آپؐ کی فضیلت پر یہ بھی دلیل ہے کہ آپ نے تمام بشری صفات کا حامل ہونے کے باوجود معراج کی بلندیوں اور ترقیات کو پالیا۔ یہ امر نہ صرف فضیلت پر دلیل ہے بلکہ آپؐ کے بشر ہونے میں ان عقائد کا بھی رد ہے کہ بشر اپنی کمزوریوں کی وجہ سے روحانی مدارج کو حاصل نہیں کرسکتا۔ آپؐ کا بشر ہونا انسانیت کے لئے بھی شرف کا باعث ہے اور انسان کو ترقیات کی اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی منازل پر پہنچنے کی خوشخبری بھی سناتا ہے اور ان منازل کو حاصل کرنے کے لئے ہدایات بھی فراہم کرتا ہے۔ یعنی آپؐ کے نقش قدم پر چل کر انسان اپنی استعداد اور حالات کے مطابق مقامات عالیہ پر پہنچ سکتا ہے لیکن جو کچھ موہبت سے مل سکتا تھا جس میں انسان کی کوشش کا کوئی دخل نہیں اس نبوت کا خاتمہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت پر ہوچکا اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آسکتا ہے اور نہ بن سکتا ہے۔ آپؐ کی بشریت اور انسان کے مقامات عالیہ پانے کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آتا ہے:

''کہہ میں صرف تمہاری طرح بشر ہوں (لیکن) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو چاہیے کہ وہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔''(سورۃ الکھف آیت 110:18)

سورۃ حم سجدہ میں اسی بات کو دوہراتے ہوئے مزید تاکید کی کہ ''کہہ میں صرف تمہاری طرح ایک انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کی طرف سیدھی راہ پر لگے رہو اور اسی کی حفاظت مانگو اور مشرکوں کے لئے افسوس ہے''(حم سجدہ آیت 7:41)

☆☆☆☆

خطبہ جمعۃ المبارک

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 16 جون 2017ء بمطابق 20 رمضان المبارک، بمقام جامع دارالسلام لاہور

ترجمہ: ’’اللہ بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اُتارا اور تجھے کیا خبر ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔
لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے
ہر امر خیر کو لیے ہوئے اُترتے ہیں۔ سلامتی طلوع فجر تک ہے۔‘‘ (سورۃ القدر)

اس سورۃ کو خطبہ کے لئے میں نے انتخاب اس وجہ سے کیا ہے کہ آج شام سے ہم رمضان کے آخری عشرۃ میں انشاء اللہ داخل ہو جائیں گے اور یہ عشرۃ کثرت سے استغفار کرنے کا ہے۔ اور اسی آخری عشرۃ میں لوگ عبادت کو انتہاء تک پہنچانے کے لئے اعتکاف کا بھی ارادہ کرتے ہیں اور تراویح کا سلسلہ جو جاری ہے، اس میں قرآن بھی انشاء اللہ مکمل ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور قرآن کریم کو سنا اس کا بھی بہت اجر ہے۔ ان مسئلوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تراویح کا سلسلہ کب شروع ہوا؟ کس نے شروع کیا؟ پڑھنا چاہیے یا نہیں پڑھنا چاہیے؟ میرے نزدیک مسجد میں آ کر قرآن سن لینا جبکہ وہ تلاوت کیا جائے وہ کسی مسئلے یا فتویٰ کا محتاج نہیں ہے۔

قرآن مسجد میں تراویح کے دوران سنا جائے اور اگر کوئی چاہے تو دوبارہ خود بھی اپنی تہجد کی نماز میں پڑھ سکتا ہے کیونکہ رمضان کے یہ مواقع بار بار نہیں آتے۔ قرآن جہاں پر سننے کا موقع ملتا ہے وہاں ہم اسے سنیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب موقع دے رکھا ہے تو اس کو اپنے ہاتھوں ضائع نہ کریں۔

اب میں اس سورۃ کی طرف آتا ہوں جس کا نام القدر ہے۔ اور قدر کے لغوی معنی بہت سے ہیں مثلاً تقدیر، عزت، قوت، سہولت، منزلت، برکت، حرمت، فضیلت، وقار جیسے الفاظ اس کے لغوی معنوں میں لکھے گئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اس کو وہ رات کہا ہے جس میں تقدیروں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ تقدیروں کے فیصلے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ رمضان شریف کی گھڑیوں میں، مبارک راتوں میں اللہ تعالیٰ فیصلے کرتے ہیں لیکن میرے نزدیک سب سے اہم فیصلہ جو کائنات کی تخلیق سے لے کر اس کے ختم ہو جانے تک کے لئے ہوا وہ قرآن کریم کا نزول اور رسول کریم صلعم کا آخری نبی بن کر آنا ہے۔ یہ دونوں فیصلے بہت اہم ہیں۔ قرآن میں فرمایا ہے: ’’اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر اُتارا ہے۔ وہ رسول وہی جو تم پر اللہ کی کھلی آیتیں پڑھتا ہے‘‘ اس لئے یہ جو دو اہم فیصلے دنیا کی تقدیر میں لکھے گئے کہ اب اس آخری نبی کو آ جانا چاہیے، اس آخری کتاب کو نازل ہو جانا چاہیے۔ یہ رمضان میں ہوا اور قرآن کی ابتداء اسی ماہ میں شروع ہوئی۔ غار حرا میں ان پانچ آیات سے جو ’’العلق‘‘ کی پہلی پانچ آیات ہیں اور اس کے بعد 23 سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیلۃ القدر صرف اسی لئے بابرکت نہیں کہ اس میں قرآن اُترا یہ اللہ کے ہاں ایک قدر والی رات ہمیشہ سے چلی آ رہی تھی اور احادیث کے مطابق تمام آسمانی کتابیں اسی ماہ میں نازل ہوئیں اور جب ہم تفاسیر پڑھتے ہیں تو ان میں تاریخیں بھی لکھی ہوئی ہیں کہ کونسی کتاب اور کس رمضان المبارک کی کس تاریخ کو نازل ہوئی۔ ان میں زبور، انجیل، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے اُن کا ذکر بھی آتا ہے۔

سورۃ القدر میں انا انزلنہ ’’ہم نے اس کو اتارا‘‘ آتا ہے لیکن قرآن لفظ نہیں آتا۔ یہ قرآن کریم کی حکمت ہے کہ ہر چیز کی تشریح دوسری جگہ ملتی ہے۔ سورۃ البقرہ میں جہاں پر رمضان کے احکامات ہیں وہاں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ’’شهر رمضان الذی اُنزل فیه القرآن ‘‘ ترجمہ: ’’رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا اور ہدایت کی اور حق اور باطل کو الگ کر دینے کی کھلی دلیلیں ہیں‘‘۔ اس لئے قرآن خود بتا دیتا ہے کہ قرآن کا نزول رمضان میں ہوا۔

لیلتہ القدر میں قرآن کریم رسول کریم صلعم کے قلب مبارک پر نازل ہونا شروع ہوا۔ آپ کے قلب کو بھی القدر کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو قدر کے لغوی معنوں میں پائی جاتی ہے مثلاً عزت، قوت، برکت، پاکیزگی، وقار وغیرہ اور قرآن پر عمل کرنے سے یہ تمام خوبیاں عمل کرنے والے میں بھی آجاتی ہیں۔

لیلتہ القدر کا مفہوم

لیلتہ القدر میں دو الفاظ ہیں۔ بظاہر ایک طرف اندھیری رات ہے اور دوسری طرف القدر۔ جس میں برکتیں اور سارے روشن پہلو ہیں۔ بظاہر اً یہ متضاد لگتا ہے لیکن اس میں ایک بہت بڑا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے اور اس میں ایک پیشگوئی آجاتی ہے کہ لیلتہ القدر جہالت کے دن ختم کردے گی اور قرآن کے نزول کی وجہ سے اور رسول کریم صلعم کو نبوت مل جانے کی وجہ سے جہالت کا زمانہ ختم ہوجائے گا اور تاریک زمانہ ختم ہو کر ایک القدر زمانہ کا آغاز شروع ہوجائے گا۔ اس کتاب پر جو عمل کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی مردہ اندھیری اور روحانی طور پر بے مقصد زندگیوں کو ختم کردے گا اور وہ فرشتہ سیرت اولیاء اللہ بن جائیں گے۔ وہ جو نفس امارہ پر غرور کرنے والی ہستیاں تھیں، اپنے گناہوں پر بھی وہ شان سمجھنے والے لوگ تھے جب قرآن کا علم ان کے پاس آیا، رسول کریم صلعم ان کے درمیان آئے اور وہ نفس مطمئنہ والے اور برگزیدہ لوگ بن گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھی اور ولی اللہ کہلائے اور رسول کریم صلعم کے صحابہ کہلائے اور اللہ کی نظروں میں ''عبادی'' میں داخل ہوگئے۔ اس نازل ہونے والی کتاب میں انا انزلنا ''ہم نے اس کو اتارا'' اور وہ تمام شبہات جو دنیا میں انسانوں نے پیدا کیے اُن کا رد ہے کہ یہ کتاب ہم نے نازل کی۔ یہ عرب کے سوداگر نے خود نہیں لکھی۔ کسی کی مدد سے نہیں لکھی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ممکن بننے کے لئے ایک وقت دیا ہوا ہے۔ اگر ہم اردگرد کے مشاہدات کریں تو فصلیں بونے اور کاٹنے کا بھی ایک زمانہ آتا ہے اسی میں ہل چلائے جاتے ہیں، اسی میں بیج بوئے جاتے ہیں اور اسی میں سے فصل نکلتی ہے اور کوئی انسان تصور تک نہیں کرسکتا کہ کوئی کسان اٹھے گا اور برف پڑ رہی ہوگی اور وہ اس میں ہل چلانے لگ جائے گا اور بیج بونے لگ جائے گا۔ کیونکہ انسان کو تجربے سے سالہا سال زمینیں کاشت کرنے کی وجہ سے یہ اندازہ ہوگیا ہے کہ اس موسم میں اس وقت میں زمین میں وہ قوت آتی ہے اور جو پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ انہی دنوں میں آنے کی امید ہوتی ہے۔

لیلتہ القدر کی تلاش

اسی طرح لیلتہ القدر رمضان کی کوئی گھڑی ہے اور اس کو تلاش کرنے کے لئے آخری دس راتوں کی طاق راتیں اور بعض احادیث میں آخری روزہ کی رات بھی لکھا گیا ہے۔ لیلتہ القدر کا ایک دن بتایا جاسکتا تھا مگر مقصد عبادت تھا ورنہ ایک دن سارے اٹھتے اور جیسے ہمارے باقی اسلامی پروگرام ہوتے ہیں، خوب عبادت کرلیتے اور چراغ جلا دیئے جاتے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے جو نظام بنایا ہے اس کو تلاش کرنا پڑتا ہے اور یہ تلاش رسول کریم صلعم کی زندگی میں بھی ہوتی تھی اور صحابہ کرامؓ اس کو تلاش کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے رسول کریم صلعم سے پوچھا کہ اگر لیلتہ القدر مجھے مل جائے تو میں کیا دعا کروں؟ اس لئے اس گھر میں جو رسول کریم صلعم کا گھرانہ تھا۔ ان صحابہ میں جو ان کے ساتھی تھے تمام لوگ عبادات بھی کرتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے، تہجد اور تراویح بھی پڑھتے تھے اور قرآن بھی سنتے تھے اور نیکیاں جتنی ہوسکتی تھیں کرتے تھے۔ اس کی تلاش کے دن آج کی افطار کے بعد شروع ہوجائیں گے پھر ہمارے نزدیک یہ مسئلہ آجاتا ہے کہ ہمارے ادھر چاند نظر نہیں آیا۔ کیا پتہ کیا فیصلہ ہو، کبھی ایک روزہ ضائع بھی ہوجاتا ہے۔ تو کیا ہماری طاق راتیں ہمارے روزے کے مطابق چلیں گی؟ یا جو خدا تعالیٰ کی طاق راتیں ہیں ان کے مطابق چلیں گی؟ یا سعودیہ کے ساتھ چلیں گی؟ یا انگلینڈ، امریکہ کے سائنسدانوں پر انحصار کریں گے؟ تو میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر انسان روز ہی یوں سمجھ لے کہ آج لیلتہ القدر نصیب ہوسکتی ہے تو عبادات کی زیادتی کبھی نہیں ہوتی۔ اس لئے آج سے عبادات کا سلسلہ ہمیں شروع کردینا چاہیے کیونکہ یہ موقع ہوتا ہے جب انسان کی روح جاگ اُٹھتی ہے، جس طرح فصل تیار ہوتی ہے، انسان کی روح میں بھی اللہ تعالیٰ نے وہ دن اور مقام رکھے ہیں کہ وہ جاگ اُٹھے اور اس کے اوپر

عبادات کا اثر ہونا شروع ہوجائے۔

لیلتہ لقدر خیر من الف شهر کا مفہوم

پچھلے خطبہ میں میں نے بتایا تھا کہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ کہتا ہے کہ ''میرے اور بندے کے درمیان کوئی پردہ نہیں لیکن بندے اور میرے درمیان ستر ہزار پردے ہیں'' یہ وہ ماہ اور وہ گھڑیاں ہیں جہاں یہ پردے اٹھادیئے جاتے ہیں۔ یہ پردے کیا ہوتے ہیں انسان کے گناہ، انسان کی غفلتیں، انسان کی زیادتیاں۔ جب انسان ارادتاً عبادت کی خاطر روزوں میں یہ گناہ چھوڑ دیتا ہے اس کے لئے یہ پردے بھی اُٹھ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نزدیکی انسان کو میسر آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا انزلنه فی لیلته القدر اور پھر ایک سوال پوچھتا ہے کہ وما ادراک مالیلته القدر ''اور تجھے کیا خبر ہے کہ لیلتہ القدر کیا ہے'' ماادراک مالیلتہ القدر سے بتایا جارہا ہوتا ہے کہ یہ انسانی اندازہ سے باہر ہے۔ اللہ یوں فرمارہا ہے کہ لیلتہ القدر کیا ہے تمہارے تصور سے باہر ہے لہذا میں خود بتاتا ہوں اور پھر اگلی آیات میں اُس کا جواب خود دے دیتا ہے۔

لیلتہ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے کی تشریح

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس رات اگر ہماری عبادات قبول ہوجاتی ہیں تو یہ ہماری زندگی بھر کی عبادات سے بہتر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ وہ خیر والی رات کو اور برکت والی رات کو اتنی برکت دے دے کہ اس کی قبولیت دعا ہزار مہینوں کی عبادات سے بڑھ جائے۔ انسان ہزار مہینے عبادات کرے تو کیا مانگے گا؟ کیا بیوی بچے اور پیسے ہی مانگتا رہے گا؟ یا اللہ کی مغفرت مانگتا رہے گا؟ یا ہدایت اور اس کی دوستی اور اس کا ساتھ مانگتا رہے گا؟۔ اگر انسان کو یہ ایک رات میسر آجائے تو جو وہ ساری عمر لگا کر مانگے وہ اسے ایک رات میں حاصل ہوجائے گا۔ لیکن عربی میں ہزار مہینہ کہنے کا تصور یوں بھی ہے کہ یہ بات اندازے سے باہر ہے۔ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کے اندر کتنی خیر ہے۔ پھر اس کو سمجھانے کی کوشش تمام مفسرین اپنی تفاسیر میں کرتے ہیں۔

ایک مطلب یہ بھی ہے کہ لیلتہ القدر ایسا زمانہ ہے جس میں نبی کریم صلعم اور اُن ایمان لانے والوں پر آزمائشیں آئیں گی لیکن جب یہ آزمائشیں ختم ہوجائیں گی تو یوں ہی لگے کہ یہ ایک رات کا واقعہ تھا۔ اندھیری رات ہم پر گزری لیکن اب ہزار مہینے کی جتنی راتیں ہیں اس کا اندازہ ہم لگائیں تو یہ لامحدود برکتوں کا زمانہ شروع ہوجائے گا۔ یہ سخت مشکلات کے زمانہ میں مکہ کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ اس میں ایسے تسلی والے الفاظ کی یقیناً ضرورت بھی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول بھی کیا اور اسلام کو ترقی بھی دی۔

ایک اور مفہوم یہ ہے کہ اسلام چاند کی طرح ہلال سے قمر یعنی چودھویں کا چاند بن جائے گا لیکن اس پر چاند کی طرح پھر سے زوال آئے گا اور پھر اس کا چھوٹا ہونا شروع ہوجائے گا اور پھر ایک اندھیرا زمانہ آجائے گا اور اس میں پھر ایک لیلتہ القدر کی ضرورت پیش آئے گی اور اس میں وہ مجدد اور زمانے کا امام آئے گا جو اس کو دوبارہ اندھیر سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے گا۔

کیونکہ خطبہ کا وقت محدود ہے میں اگلے خطبہ میں جو جمعتہ الوداع کا خطبہ ہوگا باقی آیات پر روشنی ڈالوں گا۔

آخر میں میں صرف یہ کہوں گا کہ ان مبارک گھڑیوں کو ضائع نہ کیا جائے اور یاد رہے کہ لیلتہ القدر کی تلاش عبادات کا ذریعہ ہے۔ مگر مسجد کے اندر آ کر تمام کی تمام جماعت اعتکاف نہیں بیٹھ سکتی۔ لیکن اس کی تلاش اپنی ہی جگہوں پر، اپنی عبادات میں جاری رکھی جائے۔ لوگ مختلف تجربات سناتے ہیں اور ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس میں سے گزرے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''جس شخص نے عشاء اور فجر کی نمازیں باجماعت ادا کیں وہ شب قدر پا گیا'' اور حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ رمضان میں جو دعائیں کرتا ہے اور اخلاص سے روزے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی رنگ میں اس پر لیلتہ القدر کا اظہار کردیتا ہے ان دس راتوں میں باجماعت نمازوں کو خاص اہمیت دیں، تہجد کو بھی اپنی عبادات میں شامل کریں اور یہ دس راتیں ضائع نہ ہونے دیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان میں خشوع سے دعائیں کرنے اور اخلاص سے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (اگلا خطبہ آئندہ شمارہ میں)

حضرت مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ

جسارت نذر رب

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مجدد صد چہاردہم خلعتِ ماموریت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنی تصنیف ''فتح اسلام'' میں فرماتے ہیں

:''سو بھائیو! یہ تو ضروری ہے کہ تاریکی پھیلنے کے وقت روشنی آسمان سے اترے ۔ میں اس مضمون کو بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سورۃ القدر میں بیان فرماتا ہے کہ مومنین کو بشارت دیتا ہوں کہ اس کا کلام اور اُس کا نبی لیلتہ القدر میں آسمان سے اتارا گیا اور ہر مصلح اور مجدد جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ لیلتہ القدر میں ہی اترتا ہے ۔تم سمجھتے ہو لیلتہ القدر کیا چیز ہے؟ لیلتہ القدر اس ظلماتی زمانے کا نام ہے جس کی ظلمت کمال کی حد تک پہنچ جاتی ہے ۔اس لئے وہ زمانہ بالطبع تقاضا کرتا ہے کہ ایک نور نازل ہو جو اس ظلمت کو دُور کرے ۔اس زمانہ کا نام بطور استعارہ کے لیلتہ القدر رکھا گیا ہے ۔مگر درحقیقت یہ رات نہیں ہے یہ ایک زمانہ ہے جو بوجہ ظلمت رات کا ہمرنگ ہے ۔۔۔اس لیلتہ القدر میں خدا تعالیٰ کے فرشتے اور روح القدس اس مصلح کے ساتھ رب جلیل کے اذن سے آسمان سے اترتے ہیں ۔نہ عبث طور پر، بلکہ اس لئے کہ تا مستعد دلوں پر نازل ہوں اور سلامتی کی راہیں کھلیں ۔''

آپ اپنی اسی کتاب میں آگے فرماتے ہیں:

''اس جگہ میں اس بات کے اظہار اور اس کا شکر ادا کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا ۔میرے ساتھ تعلق اخوت پکڑنے والے اور اس سلسلہ میں داخل ہونے والے، جس کو اس نے خود اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے محبت اور اخلاص کے رنگ سے ایک عجیب طرز پر رنگین ہیں ۔نہ میں نے اپنی محنت سے بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص احسان سے یہ صدق سے بھری ہوئی روحیں مجھے عطا کی ہیں ۔'' (صفحہ33)

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حضرت امام الزمان کی بعثت کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے انقلاب آور اور تاریخ ساز وجود عطا کئے جنہوں نے خدمت دین، اعلائے کلمتہ اللہ اور اشاعت دین کے لئے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ احیائے دین کی تاریخ اُن کے سنہری کارناموں سے مزین ہے ۔یہ باصفا لوگ مولانا نورالدین، مولانا محمد علی، مولانا محمد احسن امروہی، خواجہ کمال الدین، مولانا صدرالدین، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور ڈاکٹر بشارت احمد کے علاوہ بہت سے پاک وجودوں میں نظر آتے ہیں ۔

حضرت مولانا صدرالدین 1881ء میں سیالکوٹ شہر کے ایک معزز ککے زئی گھرانے میں پیدا ہوئے ۔سیالکوٹ وہ بابرکت شہر ہے جہاں پر ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے بھرپور جوانی میں اپنی زندگی کے 4 سال گزارے (1864ء سے 1868ء تک) اور نہایت نیک شہرت حاصل کی ۔اُن کی پرہیزگاری نے سیالکوٹ کی بے شمار سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچا، اور اُن سعید روحوں کی بدولت مزید سعید روحیں پیدا ہوتی گئیں ۔حضرت مولانا صدرالدین کو امام وقت کے حضور مولانا عبدالکریم سیالکوٹ نے پیش کیا اور آپ کے وجود کو اپنی خاص کمائی بتایا ۔یہ 1905ء کا واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی جبکہ آپ کی عمر ابھی 24 سال تھی ۔

حضرت مولانا کی خودنوشت ''چند ناقابل فراموش یادیں'' سے کچھ اقتباسات پیش کرتی ہوں ۔لکھتے ہیں:

''میں نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا وہ دینی تھا ۔گھر میں قرآن شریف کی تعلیم کا التزام تھا ۔چنانچہ میں بڑا ہوا تو مجھے بھی قرآن کی تعلیم دی جانے لگی ۔میں مڈل تک بلاترجمہ قرآن ذوق وشوق سے پڑھتا رہا ۔جن دنوں تھرڈ مڈل میں

تھا، حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹی کے درس قرآن کا شہر بھر میں شہرہ تھا۔ آپ مسجد حسام الدین میں درس دیتے تھے۔ میں تین چار سال تک حضرت مولانا کے درس میں باقاعدہ شریک ہوتا رہا۔ آپ درس کے دوران حضرت مرزا صاحب کے متعلق بھی فرماتے تھے۔ آپ کا طرز بیان مسحور کن تھا۔ چنانچہ مجھے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا انہی ایام میں کامل یقین ہوگیا تھا۔ اس تمام عرصہ میں والدین نے اشارے کنائے میں بھی درس میں شرکت سے نہ روکا اور نہ ہی حضرت صاحب کی صداقت کا اقرار کرنے سے منع کیا۔ محلّہ میں ہماری خاندانی حیثیت ایسی نہ تھی کہ کوئی شخص مجھ پر کوئی اعتراض کرسکتا۔ مولانا موصوف اکثر حضرت صاحب اور حضرت مولانا نورالدین کا ذکر کرتے رہتے اور اس طرح ان ہر دو کی عظمت کا نقش میرے دل میں قائم ہوگیا۔

بی اے کرنے کے بعد میں ٹریننگ کالج میں ایس اے وی کلاس میں داخل ہوگیا۔ پھر بی ٹی کیا۔ تکمیل کے بعد کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز رہا اور کچھ عرصہ ٹریننگ کالج میں انگلش کا پروفیسر رہا۔ حضرت صاحب کے وصال کے بعد حضرت مولانا نورالدین نے وفد بھیجا کہ میں ملازمت چھوڑ کر قادیان خدمت عالی میں حاضر ہو جاؤں۔ وفد میں حضرت مولانا محمد علی، حضرت خواجہ کمال الدین، حضرت ڈاکٹر محمد حسین شاہ، حضرت ڈاکٹر یعقوب بیگ اور حضرت شیخ رحمت اللہ شامل تھے۔ میں ان کے کہنے پر قادیان جانے کے لئے راضی ہوگیا۔ پھر وفد نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ مجھے قادیان چلے جانے کی اجازت دے چنانچہ میں قادیان چلا آیا اور تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی ہیڈ ماسٹری کا فریضہ مجھے سونپا گیا۔ ان ہی ایام میں مولانا محمد علی تفسیر قرآن میں مصروف تھے چنانچہ انجمن کی اجازت سے وہ سیکرٹری کے عہدے سے علیحدہ ہوگئے اور یہ ذمہ داری بھی میرے کندھوں پر ڈال دی گئی۔ قادیان میں میرا قیام 5 سال رہا۔''

مولانا صدرالدین کے والد ایک بڑے تاجر تھے۔ وہ کلکتہ میں تجارت کیا کرتے تھے، اہل خانہ دیندار تھے اس لئے مولانا شروع سے باجماعت نماز کے پابند تھے۔ ایک دن آپ کی والدہ نے آپ کو بلا کر پوچھا کہ اگر کسی گھر میں آگ لگ جائے اور تم نماز کے لئے جا رہے ہو تو خدا کی عبادت کو ترجیح دو گے یا آگ بجھانے میں لگ جاؤ گے تو آپ نے برجستہ جواب دیا کہ میں پہلے آگ بجھاؤں گا اور پھر نماز پڑھوں گا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو شاباش دی اور کہا کہ اب تو نماز کی حقیقت سمجھ گیا ہے۔ جا اور نماز ادا کر۔

1914ء میں مولانا نورالدین کی وفات پر جب جماعت میں اختلاف رونما ہوا تو مولانا صدرالدین اپنے دیگر رفقاء کے ہمراہ لاہور آ گئے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے بانی ممبران میں سے تھے۔ سلسلہ احمدیہ میں یہ افسوسناک اختلاف کئی لحاظ سے فائدہ مند بھی رہا۔ اول حضرت بانی سلسلہ کے دعویٰ اور مقام کے بارے میں جو غلو کیا جا رہا تھا اس کا تدارک ہوگیا۔ دوئم حضرت صاحب کی صحیح تعلیم اور عقائد پھیلانے کا موقع میسر آ گیا۔ سوئم قرآن کریم کے تراجم اور بیش بہا اور بے مثال دینی لٹریچر منصۂ شہود پر آیا۔ جو آج تک بے نظیر ہے۔ چہارم خواجہ کمال الدین جنہیں الہاماً ''حسن بیان'' کہا گیا تھا اور مولانا صدرالدین کو مغربی ممالک میں تبلیغ دین کے مراکز قائم کرنے کے مواقع ملے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں آپ کی ہیڈ ماسٹری کا قدر اس سکول کی تاریخ کا ایک زریں باب تھا۔ حضرت امیر مرحوم ڈاکٹر سعید احمد خان جو کہ حضرت مولانا کے شاگردوں میں سے تھے فرماتے ہیں:

''آپ سکول کے تمام عملہ اور طلباء کی طرف دنیوی تربیت کا اہتمام ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی اخلاقی اور دینی تربیت کا بھی خاص خیال فرماتے تھے۔ سکول سے ملحقہ مسجد نور میں پانچوں نمازیں باقاعدگی سے ادا کی جاتی تھیں اور عصر کے وقت حضرت مولانا نورالدین کے درس قرآن میں شامل ہونے کے لئے طلباء قطار باندھ کر آتے تھے۔ مولانا مرحوم کی شخصیت اور اس طرح تربیت کا ہی اثر تھا کہ اس سکول کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور علامہ اقبال جیسے انسان نے بھی اپنے بیٹے آفتاب احمد کو کسی پبلک سکول میں بھیجنے کی بجائے قادیان کے سکول میں بھیجنا پسند کیا۔ آفتاب احمد میرے ہم جماعت تھے۔ اس

تربیت کا ایک ناقابل فراموش نظارہ کھیل کے میدان میں بھی دیکھنے کو آیا۔ایک بار کھیلوں کا مقابلہ امرتسر میں منعقد ہوا۔اسے سرکل کی کھیلوں کا مقابلہ کہتے تھے۔ بہت سے سکول شریک تھے۔ ہاکی کا آخری مقابلہ قادیان سکول اور خالصہ سکول امرتسر کے درمیان ہوا۔ ہماری ہاکی کی ٹیم جیت گئی۔ جب آخری وسل بجی تو ہمارے کھلاڑی جہاں کہیں بھی میدان میں تھے سب کے سب سجدہ شکر میں گر گئے تماشائیوں پر اس منظر کا گہرا اثر ہوا۔''

1917ء میں انجمن نے مسلم ہائی سکول قائم کیا تو مولانا کو اس کا پرنسپل بنایا گیا کیونکہ آپ نے قادیان میں جو کام کیا تھا۔اس کے پیش نظر آپ سے زیادہ موزوں آدمی نہیں مل سکتا تھا۔آپ کی زیر نگرانی سکول اس قدر نیک نام ہوا کہ معزز ترین گھرانوں کے لڑکے چیفس کالج کو چھوڑ کر یہاں آکر داخل ہوئے۔ اس سکول کے نظم وضبط اور اعلیٰ تعلیمی معیار کو دیکھتے ہوئے ڈائریکٹر سکولز مسٹر کراس نے جو اس سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آئے تھے یہ ریمارکس دیئے:

I came here to surprise the school, but find myself surprised یعنی'' میں سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آیا تھا،لیکن اسے دیکھ کر میں خود حیران رہ گیا ہوں''

1919ء میں حضرت مولانا صدر الدین ووکنگ مشن میں کام کے لئے دوبارہ تشریف لے گئے ۔1922ء میں انجمن نے برلن (جرمنی) میں تبلیغ اسلام کے لئے مشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو مولانا کو وہاں بھیج دیا گیا۔آپ 3/4 سال تک وہاں تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دیتے رہے۔ وہاں آپ نے جرمن زبان میں ایک رسالہ ''مسلمین ریویو'' جاری کیا جس کے اعلیٰ پایہ کے مضامین کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ کے عالم فاضل جرمن اسلام لے آئے۔ جرمنی میں قیام کے دوران آپ نے برلن میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی جو فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ اور برلن کا زیور ہے۔ یہ مسجد آپ کی نفاست طبع کا ایک اعلیٰ نمونہ اور یادگار ہے۔1928ء میں انجمن نے جب قرآن کریم کا ترجمہ جرمن زبان میں کرانے کا فیصلہ کیا تو اس عظیم خدمت کا بھی آپ نے ہی اہتمام کیا۔ یہ ترجمہ 1938ء میں چھپ کر تیار ہوا۔

اعلائے کلمتہ اللہ آپ کی جرات و بے باکی اور حق گوئی و دیانت کے کئی واقعات ہیں ۔ جرمن ترجمۃ القرآن 1938ء میں شائع ہوا۔ایک سال کے اندر اندر دوسری جنگ عظیم کے شعلے اٹھنے شروع ہوگئے ۔ جنگ کے آغاز سے کچھ عرصہ پہلے آپ نے ترجمہ وتفسیر کی کاپی خوبصورت جلد بندی کروا کر جرمنی کے حکمران ہٹلر کو بھیجی اور اس کے ساتھ ایک خط بھی بھیجا جس میں لکھا تھا آپ عصر حاضر کے ایک بہت بڑے انسان ہیں۔ میں آپ کو خیر الانام کا لایا ہوا پیغام مطالعہ کے لئے بھیجتا ہوں، جو عظیم ترین راہنما تھے۔اس کتاب میں بنی نوع انسان کی فلاح،حریت اور مساوات کے لئے جو پیغام ہے وہ رہنمایان عالم کے لئے مشعل راہ ہے۔ہٹلر ان دنوں یورپ کے لئے ایک ہوا تھا۔جابر اور مطلق العنان آمر تھا۔ اس کے سامنے کلمہ حق کہنا یقیناً زبردست قوت ایمانی کا اظہار ہے۔

ایک بار حضرت مولانا صابرمتی جہاں گاندھی جی کا کیمپ تھا ان سے ملاقات کے لئے گئے ۔ گاندھی جی نے ان دنوں ملک میں ہجرت کی تحریک چلائی ہوئی تھی۔ مولانا نے گاندھی جی سے کہا کہ ہمارے رسولؐ نے بھی خدا کے حکم سے ہجرت کی لیکن 13 سال دشمنوں کے اندر بیٹھے رہے آپ اور آپ کے ساتھی ایذائیں اور مصائب سہتے رہے حتیٰ کہ آپؐ نے سب ساتھیوں کو محفوظ مقامات پر پہنچایا۔ اور خود سب سے آخر میں ہجرت کی۔۔ اور آپ ہیں کہ لوگوں کو گھروں سے نکال کر اور مصائب میں ڈال کر خود آکر دریا کے کنارے بیٹھ گئے ہیں۔ جواباً گاندھی جی نے کھڑے ہو کر کہا کہ محمدؐ تو بہت بڑے انسان تھے، میں اُن کو سلام کرتا ہوں۔

آپ کے قیام انگلستان کے دوران اسلامیہ کالج پشاور کی مجلس انتظامیہ نے کالج کے پرنسپل کی اسامی پُر کرنے کے لئے ملکی و برطانوی اخبارات میں ایک اشتہار دیا۔ چند ایک درخواستیں لندن سے بھی موصول ہوئیں۔ انٹرویو کے لئے اُمیدواروں کو وہاں سے بلانے پر کافی خرچ اٹھتا۔ کالج کی مجلس انتظامیہ

نے آپ کو لکھا کہ ہم نے انگلستان کے امیدواروں کو ہدایات بھجوادی کہ وہ آپ کے سامنے پیش ہوں۔ آپ مہربانی کر کے اُن کے انٹرویو لے کر ہمیں سفارش بھجوادیں۔ ہمیں آپ کا ساختہ پرداختہ منظور ہے۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامیہ کالج کی مجلس انتظامیہ کو آپ کی قابلیت، امانت اور دیانتداری پر کلی اعتماد تھا۔

حضرت مولانا نہ صرف حدیث کے بہت بڑے عالم تھے بلکہ ایک خوش بیان مقرر بھی تھے۔ آنحضرت صلعم کی سیرت پر جب آپ بولتے اور حضور صلعم کے واقعات اپنے مخصوص انداز میں بیان کرتے تو سامعین پر ایک سحر طاری ہوجاتا۔ سیرت نبویؐ آپ کا خاص موضوع تھا۔ حضرت مولانا محمد علی آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مولوی صدرالدین صاحب کو سیرت نبویؐ پر تقریر کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے اور یہ ان کا ہی حصہ ہے''۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر احمدیہ بلڈنگس میں ہر سال جو آپ درس قرآن دیا کرتے تھے وہ بڑے پُراثر اور دلوں میں اتر جانے والے ہوتے تھے۔

آپ کا طرز تبلیغ بڑا نرالہ تھا۔ ایک دفعہ دو مولوی احمدیہ مسجد میں آئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ مرزا صاحب کو مانتے ہیں؟ آپ نے کہا نہیں۔ سوال کو دوہرایا گیا۔ جواب نہیں میں تھا۔ مجلس میں خاموشی چھا گئی اور بعض قلوب میں وسوسہ بھی پیدا ہوا۔ کچھ وقت خاموشی کے بعد مولانا مولوی صاحبان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے ''میں محمد رسول اللہ کا ہر حکم سر آنکھوں پر سمجھتا ہوں۔ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ مرزا صاحب کے ساتھ ہوجانا۔ پھر آپ نے آنے والے امام کی علامات جو رسول پاک نے بیان فرمائی ہیں بتائیں۔

اسی طرح ایک دفعہ آپ درس قرآن سے فارغ ہوکر گھر جانے لگے تو ایک غیر احمدی شخص نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ کی تو نماز نہیں ہوئی۔ فرمایا کیوں! کیا ہوا۔ اس نے کہا کہ آپ کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہے۔ آپ فرمانے لگے حضور صلعم کے وقت بھی ایک بہت بڑے انسان کی نماز نہیں ہوئی تھی اور جب اعتراض کرنے والے نے رسول پاک صلعم کے پاس شکایت کی کہ ابوبکر کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ اُن کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہے تو رسول خدا نے جواب دیا کہ ابوبکر میں تکبر نہیں۔۔۔ اور یوں مسئلہ سمجھا دیا۔

ایک دفعہ آپ انگلستان سے کامیاب تبلیغی دورہ کے بعد واپس وطن آئے۔ لاہور میں آپ کی دعوت ملک غلام محمد (جو بعد میں پاکستان کے گورنر جنرل بنے) نے کی۔ دعوت میں لاہور کے اکابرین شامل تھے اور آپ کو آپ کی کامیاب تبلیغی کوششوں پر، جو اخبارات میں چھپتی تھیں، خراج تحسین ادا کر رہے تھے کہ علامہ اقبال نے سوال کیا کہ حضرت! آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ، اسلام کی خوبیوں سے خوب باخبر! آپ کو آخر قادیان جانے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت مولانا نے فوراً برجستہ جواب دیا۔ اقبال! تم نے اپنا بیٹا قادیان پڑھنے کے لئے آخر کیوں بھیجا؟ سیالکوٹ نہ سہی، لاہور، دہلی، علی گڑھ کیوں نہ بھیجا؟

حضرت مولانا قرآن کریم بڑی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے، سننے والے پر اس کا خاص اثر ہوتا تھا۔ آپ کی خوش لباسی، خوش کلامی، نفاست و ظرافت طبع، جرات مندی، مہمان نوازی اور بے داغ بلند اخلاقی کی بدولت، آپ کی شخصیت میں ایک خاص جاذبیت تھی۔ بلند اخلاقی اور اعلیٰ کردار کا یہ عالم تھا کہ جوانی کے عالم میں انگلستان اور جرمنی میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے گئے۔ مردانہ حسن و وجاہت سے بھی اللہ نے آپ کو خوب نوازا تھا لیکن آپ نے اپنے دامن کو کبھی تر نہ ہونے دیا۔

جن دنوں حضرت مولانا برلن مسجد کے امام اور مبلغ تھے، ترک اکابرین کا مسجد میں آنا جانا رہتا تھا۔ امیر شکیب ایک مشہور ترک راہنما ہوگزرے ہیں۔ بڑی پروقار شخصیات کے مالک تھے۔ وہ اکثر مولانا کے پاس آیا کرتے اور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ وہ علم و فضل میں بھی یکتا تھے۔۔۔ لیکن بدقسمتی سے حضرت مجدد وقت کے بارے میں ترکی ہندوستانی مولویوں کے مخالفانہ پراپیگنڈہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اب کی دفعہ جو برلن آئے تو غم و غصہ سے بھرے ہوئے برلن مسجد میں پہنچ گئے اور حضرت مولانا سے تند و تیز لہجہ میں کہا کہ مجھ پر اب تمہاری حقیقت ظاہر ہوگئی ہے۔ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا

ہے اور مسلمانوں کو کافر گروانا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں میں اس کے تیور بھانپ گیا۔ میں نے انہیں احترام سے بٹھایا اور اُن سے گفتگو شروع کی۔ وہ عربی جانتے تھے میں اپنے کمرے سے حمامتہ البشریٰ اور آئینہ کمالات اسلام اٹھا لایا اور ان کی عربی عبارات امیر شکیب کو پڑھائیں۔ جوں جوں وہ عربی عبارات پڑھتا جاتا اس کے چہرے سے غم وغصہ اور برہمی دور ہوتی گئی۔ اور اس نے اعتراف کیا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ اصل عبارت پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ لوگ صحیح ہیں۔ اس واقعہ کے بعد وہ حضرت مولانا کا اور بھی زیادہ احترام کرنے لگا اور ان کی عقیدت میں فرق نہ آیا۔

مسٹر آغا خان سوئم بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت تھے۔ حضرت مولانا کی امامت کے دنوں میں وہ اکثر ووکنگ اور برلن مسجد میں آیا کرتے تھے اور مولانا کے اخلاق حسنہ، علم وفضل اور خدمت دین سے اس حد تک متاثر تھے کہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام، آپ کے نام پر ''صدر الدین'' رکھا۔ سلسلہ اسماعیلیہ میں یہ نام کسی اور فرد کا نہیں ہوا۔

ایک اور ایمان افروز واقعہ یوں ہے کہ جن دنوں حضرت مولانا جرمنی میں تبلیغ اسلام کے جہاد میں مصروف تھے، خطبات، تقاریر اور تحریر کے علاوہ آپ اسلام کا پیغام انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ بھی پہنچاتے تھے اور شرفاء، روساء، علماء اور فضلاء کے گھروں میں جا کر بھی فریضہ تبلیغ ادا کیا کرتے تھے۔ بیرن عمر اور ڈاکٹر منصور ایسی ہی کوششوں کے ذریعہ اسلام کی آغوش میں آئے تھے۔ برلن کا ایک گھرانہ بھی آپ کے زیر تبلیغ تھا۔ وہ لوگ آپ کی پاکبازی، حسن سیرت اور اخلاق سے بڑے متاثر تھے لیکن باوجود کوشش اس گھرانہ کے قبول اسلام کے آثار نظر نہ آئے مگر مولانا مایوس نہ ہوئے اور مسلسل دعائیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا وطن واپسی کا پروگرام بن گیا۔ حضرت مولانا کی واپسی کے سفر کی تاریخ سے دو روز قبل اس فیملی نے آپ کے اعزاز میں الوداعی دعوت کا اہتمام کیا۔ میزبان فیملی کی خاتون تقریر کے لئے کھڑی ہوئی، مولانا کے حسن اخلاق شفقت اور مروت کا ذکر کیا اور کہا کہ حضرت مولانا کے ہمارے گھر سے بڑے گہرے روابط ہیں۔ ان کی محبت وشفقت ہمیں کبھی نہیں بھول سکتی۔ انہوں نے ہمیں بڑی عمدہ عمدہ باتیں بتائی ہیں اور پھر گرانقدر تحائف بھی وقتاً فوقتاً ہمیں دیتے رہے ہیں۔ اب مولانا ہم سے جدا ہو کر اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ ہم بڑے دنوں سے سوچ رہے تھے کہ آپ کو کیا تحفہ دیا جائے؟ چونکہ ہم دیرینہ تعلقات کی بناء پر مولانا کے ذوق سلیم اور مزاج سے اچھی طرح واقف ہیں، اس لئے جس تحفے کا بھی ہمیں خیال آیا ہم نے اسے ان کے شایان شان نہ پایا۔ آخر ہم اس بات پر متفق الرائے ہو گئے کہ حضرت مولانا کے لئے ہماری طرف سے موزوں ترین تحفہ، ہمارا قبول اسلام ہے۔ اور ہم آج مولانا کے ہاتھ پر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامان رحمت میں پناہ لینے کا اعلان کرتے ہیں اور مولانا سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی دعاؤں میں ہمیں ہمیشہ یاد رکھیں۔

حضرت مولانا کی عمر عزیز کا بیشتر دور تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن میں صرف ہوا۔ آپ نے قرآن کریم اور اسلام کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ بنی نوع انسان کے لئے آخری اور مکمل ہدایت قرآن کریم کی عملی تفسیر، سیرت پیغمبر خاتم ہے۔ مولانا کی تصانیف کا موضوع کچھ بھی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد اور اسوہ حسنہ بے اختیار قلم سے ابل پڑتے ہیں۔۔۔ غلبہ قرآن، خصائص القرآن، قرآن اور سائنس، ضرورت حدیث، جمہوریت اور اسلام آنحضرت صلعم زمانہ حال کے پیغمبر، اقوام عالم کے پیغمبر ہیں'' کا مطالعہ میرے قول کی تصدیق کرتے ہیں۔ سیرت نبویؐ کے علاوہ تعلیم اسلام پر آپ نے سینکڑوں لیکچر، ہزاروں خطبات دیئے ہوں گے۔ ہر لیکچر اور خطبہ میں اچھوتے اور نکتہ آفرین خیالات ہیں۔ تحریر وتقریر کا اسلوب وانداز دلنشین ہے۔ تقریر اُردو میں کر رہے ہوں تو ایک آدھ پنجابی جملہ بے ساختگی سے ادا ہو جانا، جس سے سامعین بڑے محظوظ ہوتے۔

اکتوبر 1951ء میں حضرت امیر مولانا محمد علی کی وفات پر جماعت نے بالاتفاق رائے آپ کو امیر جماعت چن لیا۔ اور تیس سال تک آپ نے جماعت کی قیادت کی۔ یہ تیس سالہ دور جماعت کی توسیع واستحکام کے لئے خصوصیت کا حامل رہا۔ حضرت مسیح موعود سے اللہ تعالیٰ نے جو وعدے کئے تھے اُن میں سے

کئی وعدوں کو دنیا نے آپ کے دورامارت میں پورا ہوتے ہوئے دیکھا۔ مالی لحاظ سے احمدیہ انجمن کے وسائل میں توقع سے کہیں زیادہ اضافہ ہوا۔ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور حضرت مجدد وقت کی کتابوں کی طباعت واشاعت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ افریقہ، لندن، جزائر غرب الہند، شمالی اور جنوبی امریکہ، کینیڈا، یورپ، مشرق بعید اور ہندوستان میں نہ صرف یہ کہ نئی جماعتیں وجود میں آئیں بلکہ ان علاقوں میں رسائل وجرائد کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ وہ جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا الہام اور ان سے وعدہ الٰہیہ ہے کہ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' دور دراز علاقوں سے لوگ تیرے پاس آئیں گے ''یا'' دور دراز علاقوں سے تیرے پاس دینی اغراض ومقاصد کے لئے مال وزر آئے گا'' اس کو حرف بحرف پورا ہوتا حضرت مولانا کے دورامارت میں دیکھا گیا۔ امریکہ سے امام وارث محمد کی قیادت میں بلالی مسلمانوں کا وفد اور نامور باکسر محمد علی کلے کے نمائندے، نہ صرف خود مولانا کی زیارت کے لئے لاہور آئے بلکہ گرانقدر نذرانہ بھی اشاعت اسلام کے لئے لائے اور آپ سے مل کر بیحد متاثر ہوئے۔

حضرت مولانا ایک واعظ اور مصنف ہی نہیں تھے بلکہ ایک کامیاب قائد بھی تھے۔ اسلامی جمہوریت پر آپ کو غیر متزلزل یقین تھا۔ انجمن کی مجالس، معتمدین، منتظمہ وعامہ میں شوریٰ اور رائے عامہ کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ جماعت میں اتحاد کے علمبردار تھے۔ اختلاف رائے کے اس حد تک روادار تھے کہ وہ جماعت کے مفاد اور بہتری میں ہو۔ ایک مہربان اور ہمدرد منتظم، شفیق و غمگسار بزرگ، بےنفس اور بےلوث معمار قوم اور عالم باعمل تھے گویا بقول علامہ اقبال:

نگاہ بلند سخن دلنواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

آپ کی حیات جاوید کا خلاصہ ہے:

حضرت مولانا کے ذوقِ تعمیر کے سلسلہ میں احمدیہ مارکیٹ نمبر ۱،۲ کے منصوبے بھی قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں عظیم عمارتوں کا نقشہ بھی آپ نے خود اپنی نگرانی میں بنوایا، اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کی تعمیر کے اخراجات کا بوجھ حضرت مولانا نے انجمن کے خزانہ پر نہیں ڈالا۔ ہمت مرداں مددِ خدا ان مارکیٹوں کی تعمیر ہوئی تو اس کمرہ کی حفاظت اور تزئین کا خیال رکھا، جس میں بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا صاحب کا وصال ہوا تھا۔ یہ کمرہ آج بھی جماعت ہائے ربوہ ولاہور کے اراکین کا مرجع ہے۔ احمدیہ مہمانخانہ کی شاندار عمارت بھی مولانا کی دلچسپی، توجہ اور ذوق تعمیر کی یادگار ہے۔

احمدیہ بلڈنگس سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ 1953ء اور پھر 1974ء میں سلسلہ احمدیہ کے خلاف شدید طوفان اُٹھے اور احمدی املاک اور گھروں، مسجدوں اور مکتبوں کو جلانے، لوٹنے اور غارت کرنے کو کارِثواب سمجھا جانے لگا تو بعض دوستوں نے آپ کو احمدیہ بلڈنگس چھوڑ کر کسی محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا تو آپ نے انہیں حوصلہ دلاتے ہوئے جواب دیا کہ ''ہم یہیں مریں گے اور یہیں جئیں گے، اس مقام کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جائیں گے۔ زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے'' اور ان پرآشوب اور پُرفتن دنوں میں اپنے خدا کی نصرت اور امام وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہوئے احمدیہ بلڈنگس سے باہر قدم نہ نکالا۔ دارالسلام میں رہائشی سکیم شروع ہوئی تو ایک کوٹھی جماعت کے سربراہ کی رہائش کے لئے تیار کی گئی اور حضرت مولانا سے استدعا کی گئی کہ آپ اس پُرفضا علاقہ میں منتقل ہوجائیں کیونکہ آپ کی صحت کے لئے کھلی ہوا بہت ضروری ہے، احمدیہ بلڈنگس میں صفائی اور حفظان صحت کا وہ سامان نہیں ہے جو عمر کے اس دور میں آپ کے لئے لازمی ہے۔ مولانا نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ''مجھے یہ تنگ و تاریک گلیاں بڑی محبوب ہیں جن میں میرے رفیق خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور حضرت مولانا محمد علی رہائش پذیر رہے۔ اسی آبادی میں میرے گھر سے ملحق وہ مسجد ہے جہاں حضرت امام الزماں، مولانا نورالدین اور مولانا محمد علی نمازیں پڑھتے اور پڑھاتے رہے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے رہے۔''

ہم کو ہیں پیاری ہماری یہ گلیاں

تحریک احمدیت لاہور کی ترقی میں حضرت مولانا صدر الدین کا حصہ اہمیت کے لحاظ سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔۔۔ انگریزی اخبار لائٹ کا اجراء ہو یا پیغام صلح کا ابتدائی دور، انجمن کے تعلیمی میدان میں کارہائے نمایاں ہوں یا انگریزی ترجمۃ القرآن کے پہلے ایڈیشن کی انگلستان میں طباعت واشاعت، ووکنگ مسلم مشن کی اسلامی خدمات ہوں یا ماہنامہ اسلامک ریویو کی ادارت، جرمن مسلم مشن کا قیام ہو یا برلن مسجد کی تعمیر، انجمن کے لئے زرعی زمینوں کا معاملہ ہو یا احمدیہ بلڈنگس میں مارکیٹوں کی تعمیر، غرضیکہ ہر ایک کام میں حضرت مولانا کی ہمت، استقلال، قوت ایمانی، شجاعت، اسلام کے لئے محبت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا نے ایک صدی کے قریب عمر پائی۔ درویشانہ زندگی گزاری ۔آپ نے دین کو دنیا پر ہمیشہ مقدم رکھا۔ ایک بھرپور زندگی گزارنے والا، مشکلات کے وقت مردانہ وار مقابلہ کرنے والا عالم باعمل اپنی صد سالہ پاک زندگی گزار کر 14/15 نومبر 1981ء کی درمیانی شب اپنے مولائے حقیقی سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مختصر یہ کہ حضرت مولانا صدر الدینؒ تو آج ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن اُن کی اسلامی خدمات نہایت درخشاں ہیں اور احمدی نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قومی تشخص کو زندہ رکھا جائے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اپنے اکابرین اور بزرگان سلسلہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتے رہیں تاکہ اُن سے رہنمائی حاصل کرسکیں۔ حضرت مسیح موعود ومجدد الزماں کے شاگردوں اور آپ کے صحبت میں بیٹھ کر فیض پانے والے بزرگوں کے حالات سے آگاہی ہماری روحانی تحریک کے احیاء کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان کے کارنامے اور خدمات دینیہ تاریخ اسلام میں سدا روشن اور درخشاں رہیں گے۔ حضرت مولانا محمد علی کی گرانقدر تصانیف، حضرت خواجہ کمال الدین اور حضرت مولانا صدر الدین کے خطبات، لیکچرز وسیرت نبویؐ کی تقاریر آنے والی نسلوں کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہوں گی اور متلاشیان حق ان سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

اعظم علوی صاحب کے دو اشعار ہیں:

وہ اک شعلہ نوا، جادو بیاں، مردِ جری جس کو
جماعت میں امیر قوم وصدر الدین کہتے تھے
وہ اک مردِ جری، شعلہ نوائی جس کا خاصہ تھا
ہر اک میدان میں، اس کو شہسوار دین کہتے تھے

میں اپنے اس مضمون کو اپنے والد مرحوم چوہدری سید احمد ملہی کی ایک نظم پر ختم کرتی ہوں جو انہوں نے حضرت مولانا محمد علیؒ کی وفات پر لکھی اور جو آج بھی حسب حال ہے:

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
جو جانِ انجمن تھے وہ ہو گئے فسانہ
جو اُٹھ گئے جہاں سے آئیں گے وہ نہ واپس
لازم ہے دیں کی خدمت، اب ہم پہ مخلصانہ
ساتھی جوان کے پیچھے زندہ ہیں دیں کی خاطر
دیکھا جنہوں نے خود بھی، مہدی کا وہ زمانہ
قائم ہیں اُن کے دم سے، اب رونقیں چمن کی
عمریں ہوں ان کی لمبی، جذبہ ہو والہانہ
یہ کام ہے خدا کا، بس ہے وہی معاون
آتی ہے اس کی نصرت، جنت سے غائبانہ
اسلام کے مبلغ پہنچے کہاں کہاں تک
مشرق سے تا بمغرب اڑتے ہیں طائرانہ
تشہیر کر رہے ہیں، روحانیت کی ہر سو
اسلام کے چمن سے اٹھے ہیں فاتحانہ
نے داد کی تمنا نے آرزو صلہ کی
کرتے ہیں محض للہ، تبلیغ والہانہ

☆☆☆☆

تربیتی کورس 2016ء میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی حیات مبارکہ پر دیئے گئے لیکچرز کا مختصر خاکہ

صفیہ سعید

تمہید

ایک انسان کی شخصیت اور کرداری کی تشکیل پر کئی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ ابتداء میں انسان اپنے گھر کے ماحول سے اثر پذیر ہوتا ہے اور جب باہر کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو گلی محلے کا ماحول، استاد اور ساتھ بیٹھنے والے لوگ اور میل ملاقات کے لئے آنے والے لوگ اور عزیز رشتہ دار ایک اہم ادا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر سعید احمد خان ایک خوش قسمت انسان تھے کہ آپ کو بہترین گھریلو ماحول، عمدہ درس گاہیں، باکردار استاد اور صحبتِ صالحین نصیب ہوئی۔

جائے پیدائش: دیبگراں (اب صوبہ خیبر پختون خواہ کے ضلع مانسہرہ کا ایک گاؤں ہے)۔**تاریخ پیدائش:** 9 اکتوبر 1900ء (بمطابق کاغذاتِ تقرری)۔**نام:** آپ کا نام ''سعید احمد'' حضرت مسیح موعودؑ نے پسند فرمایا۔ **دادا کا نام:** حافظ محمد سعیدؓ۔**نانا کا نام:** ملک عبداللہ۔**والد کا نام:** حکیم مولوی محمد یحییٰؓ

والدہ کا نام: بی بی فاطمہ نور۔**چچا کا نام:** حکیم مولوی محمد یعقوب

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی میں آپ کے والدین اور چچا کا نمایاں ہاتھ ہے۔ ان ہی شخصیتوں کے اعلیٰ اخلاق کردار نے آپ کو ایک با اخلاق اور بلند کردار انسان بنایا۔ آپ کے دادا حافظ محمد سعیدؓ حضرت صاحب کے دعویٰ مجددیت سے پہلے وفات پا گئے تھے مگر دونوں بیٹوں حکیم محمد یحییٰ اور حکیم محمد یعقوب کو وصیت کی تھی کہ عنقریب مہدی کا ظہور ہوگا اور وہ دنیا کی لعن طعن کی پرواہ نہ کریں گے اور اُسے قبول کریں۔ چنانچہ ان بزرگ ہستیوں نے احمدیت قبول کر لی۔ اس طرح ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب پیدائشی احمدی تھے۔ آپ نے ابتدائی قرآنی تعلیم مولوی حیات اللہؒ سے حاصل کی۔

بیعت بذریعہ خط

آپ کے والد اور چچا ہمیشہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس طرح آپ بالکل چھوٹی سی عمر میں دین کی طرف مائل ہو گئے اور اپنی خواہش سے چھ سال کی عمر میں بذریعہ خط حضرت مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہو گئے۔

قادیان میں پہلی مرتبہ، دسمبر 1907ء

سات سال کی عمر میں والد اور چچا کے ہمراہ قادیان گئے اور جلسہ سالانہ میں شریک ہوئے اور تین ماہ تک وہاں قیام کیا۔

والد کی نصیحت

ہم یہاں حضرت صاحب کے لئے آتے ہیں، کھیل کود میں نہ لگے رہنا۔ جب بھی حضرت صاحب مسجد میں تشریف لائیں، آپ وہاں موجود رہنا۔ آپ نے اس پر پورے طور پر عمل کیا۔ جب حضرت صاحب مسجد میں داخل ہوتے تو سعید احمد آپ کے دامن کو تھام کر آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت صاحب کی نشست گاہ تک آتے۔ بعض اوقات اُن کے پاؤں دبانے لگتے۔ ایک دن والد صاحب نے ہاتھ میں ایک روپے کا سکہ تھما کر کہا کہ یہ حضرت صاحب کے ہاتھ میں دینا۔ اس پر حضرت صاحب متوجہ ہوئے اور پوچھا یہ بچہ کون ہے؟ والد صاحب نے فرمایا یہ حضور کا غلام زادہ ہے، آپ ہی نے اس کے

لئے سعید احمد نام پسند فرمایا تھا۔ حضرت صاحب نے چند دعائیہ کلمات کہے۔

بیعت: ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے حضرت صاحب کے دستِ مبارک پر سات سال کی عمر میں بیعت کی اور تادمِ آخر نبھائی۔

تاثر: ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا کہنا تھا کہ وہ ایام جو حضرت صاحب کی صحبت میں گزرے وہ میری زندگی کا اثاثہ ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب حضرت صاحب مسجد میں تشریف لاتے تو ایسے لگتا تھا کہ ایک نور لپکا سا نظر آ گیا ہے جو پھر تمام مسجد میں پھیل جاتا تھا اور آپ کی موجودگی میں یہی کیفیت رہتی تھی۔

تعلیم: پرائمری: دانہ پرائمری سکول (دیبگراں سے چھ میل کے فاصلے پر)۔ پانچویں سے ساتویں تک: مانسہرہ مڈل سکول۔ آٹھویں اور نویں: تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان۔ میٹرک: گورنمنٹ ہائی سکول ایبٹ آباد۔ ایف۔ ایس۔ سی: اسلامیہ کالج پشاور۔ ڈاکٹری کی تعلیم: کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور

آپ کو اپنے تعلیمی دور میں جماعت کے بزرگوں کی سرپرستی حاصل رہی اور آپ اُن کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اس وقت تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے پرنسپل مولانا صدرالدینؒ تھے اور تعلیمی معیار اور نظم و ضبط نہایت اعلیٰ تھا۔ اس کے علاوہ مولانا نورالدینؒ کی صحبت میں رہنے کا موقع میسر آیا اور آپ کے درسوں سے مستفید ہوئے۔ آپ کو حفظِ قرآن کا شوق بھی اسی سکول کے ماحول سے ہوا اور جو ہمیشہ جاری رہا۔ چودہ سال کی عمر میں دیبگراں کی مسجد میں امامت کا موقع ملا۔ اسی زمانے میں والد صاحب نے نماز کی پابندی کا عہد لیا۔ لاہور میں مولانا محمد علیؒ اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی صحبت سے بھرپور طور پر فیض یاب ہوئے۔ احمدیہ ینگ مین کے پہلے صدر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تھے۔ جو 1924ء میں حضرت مولانا محمد علیؒ نے قائم کی۔

اذان کا واقعہ: ہاسٹل میں اذان کے خلاف ہندو طالب علموں کی شکایت پر اذان نہ دینے کا حکم ہوا۔ آپ نے اور ڈاکٹر اللہ بخش نے مولانا محمد علیؒ سے مشورہ کیا۔ حضرت مولانا صاحب نے فرمایا ''مسلمان اذان نہ دینے کا حکم کیسے مان سکتے ہیں'' آپ اور مسلمان طالب علم اس بات پر ڈٹ گئے تو پرنسپل کو حکم منسوخ کرنا پڑا۔

بیل رام گولڈ میڈل: اناٹومی (Anotomy) کا یہ میڈل آپ سے قبل کسی مسلمان طالب علم کو نہ ملا تھا۔

تپ دق: تعلیم کے آخری سال میں یہ مرض لاحق ہوا۔ گھر چلے گئے لیکن امتحان کی تیاری کرتے رہے۔ بزرگوں کی دعا اور اپنی محنت سے امتحان اعزاز سے پاس کرلیا۔

ملازمت: پہلی (عارضی): پشاور ایجرٹن ہسپتال، تین ماہ۔

پہلی (مستقل): نتھیا گلی 1926ء۔ اس کے بعد متعدد مقامات پشاور، ایبٹ آباد، مانسہرہ اور پھر ڈاڈر سینی ٹوریم

1926ء سے 1938ء کے سالوں میں آپ کو دو مرتبہ مزید اس ناقابل مرض علاج کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ اور بزرگوں کی دعائیں ہمیشہ ساتھ رہیں اور آپ کو تندرستی عطا ہوتی رہی۔ 1932ء تا 1937ء کے دوران جب آپ مانسہرہ میں تعینات تھے، آپ شدید طور پر بیمار ہوئے تو ایک جمعہ کو مولانا محمد علیؒ نے آپ کے لئے دعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''آخر میں جماعت کے نہایت مخلص اور نیک نوجوان کے لئے دعا کرنا چاہتا ہوں، جو بیمار ہیں۔ یعنی ڈاکٹر صاحب از مانسہرہ، یہ اسم بامسمی نوجوان ہیں جن کو دیکھ کر میری روح اس قدر خوش ہوتی ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے نوجوان جگہ جگہ پیدا کرے۔ اس شخص میں نیکی اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ مانسہرہ کی جماعت اس وقت ہماری سب جماعتوں کے لئے ایک نمونہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مرکز سے جماعتوں میں آدمی نہیں بھیجے جاتے، اس لئے وہ سست ہوگئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ خود ہی ایسے آدمی بن جائیں اور اصل میں جماعتوں میں قوتِ عمل تب ہی پیدا ہوگی جب ان کے اندر کام کرنے والے پیدا ہوں۔ اس سعید نوجوان کے لئے تمام دوست اس وقت بھی اور

دوسرے اوقات میں بھی دعا کریں کہ خدا اسے تندرستی اور عمرِ دراز دے''۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنی ملازمت کے دوران جہاں بھی رہے باجماعت نماز اور درس قرآن و حدیث کا سلسلہ قائم کرتے رہے۔ اس طرح جماعت مضبوط اور فعال ہو جاتی تھی۔ آپ کا کردار جماعت کے افراد کے لئے ہمیشہ مثالی اور قابلِ تقلید رہا ہے۔

1934ء میں آپ کو مجلس معتمدین کا دوامی ممبر نامزد کیا گیا

خان صاحب کا خطاب: 1934ء میں آپ کی اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر حکومت برطانیہ نے آپ کو''خان صاحب'' کے خطاب سے نوازا۔

1938ء میں صحت کی کمزوری کی بنا پر آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دینے کا ارادہ کیا تاکہ آپ اپنے علاج کے لئے مدراس میں واقع سینی ٹوریم جاسکیں۔ اس سے افسرانِ اعلیٰ نے اتفاق نہ کیا اور آپ نے یہ کہا گیا کہ''آپ دل سے یہ خیال نکال دیں، محکمہ صحت کو آپ جیسے شخص کی اس وقت بہت ضرورت ہے'' چنانچہ آپ لمبی رخصت لے کر آروگیا ورم سینی ٹوریم میں برائے علاج چلے گئے۔ یہ سینی ٹوریم مدراس کے علاقہ چتوڑ میں مدنا پلی کے مقام پر یورپین طرز کا واحد سینی ٹوریم تھا۔ آپ کے دو آپریشن ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفائے کامل اور لمبی عمر عطا فرمائی۔ مدنا پلی سے واپسی کے بعد آپ کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

ڈاڈر سینی ٹوریم۔۔۔دارالسعید ایبٹ آباد

(1939ء تا 1974ء)

زمانہ طالب علمی اور ملازمت کا ابتدائی دور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی صحت کے لحاظ سے ایک کٹھن زمانہ تھا۔ آپ اُس زمانے کے ایک لاعلاج مرض تب دق سے سالہا سال لڑتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائی اور آپ کو ایسے مقام پر پہنچا دیا جسے ایک ارضی جنت کہنا بے جا نہ ہوگا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فروری 1939ء میں سینی ٹوریم کا چارج سنبھالا اور یکم مئی 1939ء کو سینی ٹوریم کا باقاعدہ ابتداء ہوا۔ برطانوی حکومت نے یورپین طرز کے ایک سینی ٹوریم کا منصوبہ بنایا اور اسے خاص اہم قرار دیا۔ سینی ٹوریم کے لئے جگہ کے انتخاب، اس کی منصوبہ بندی اور تعمیرات کی دیکھ بھال کا کام ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو 1935ء میں سونپا گیا تھا، جس وقت آپ مانسہرہ میں اسسٹنٹ سرجن تھے۔ 10 مئی 1938ء کو جب آپ ایبٹ آباد میں تعینات تھے، آپ کو باقاعدہ سینی ٹوریم کا میڈیکل سپرنٹنڈنٹ نامزد کیا گیا۔ تعمیرات کا کام مکمل ہو چکا تھا جب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنے علاج کے لئے لمبی چھٹی لی تھی اور مدراس روانہ ہوئے تھے۔ حکومت جلد افتتاح کرنا چاہتی تھی، اس لئے ایک اور ڈاکٹر کو میڈیکل سپرنٹنڈنٹ نامزد کر دیا گیا اور افتتاح کی تاریخ کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب کو اطلاع ملی تو قدرتی طور پر آپ کے دل کو تکلیف پہنچی مگر اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جان کر اس کی مشیت پر راضی ہو گئے اور ذہن سے یکسر اس معاملے کو مٹا دیا۔ ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کے ایمان کامل کا امتحان مقصود تھا اور جب امتحان میں پورے اترے تو اپنی قدرت نمائی سے تمام حالات یکسر بدل کر رکھ دیئے۔ ڈاڈر سینی ٹوریم کو باقی دنیا سے ملانے کے لئے جو سڑک تعمیر کی گئی تھی، ندی سرن اُس کے ساتھ ساتھ بہتی ہے۔ اچانک ندی میں ایک ایسا طوفان آیا کہ اپنے ساتھ تمام سڑک کو بہا کر لے گیا۔ ڈاڈر تک پہنچنے کے تمام راستے مسدود ہو گئے تو افتتاح ایک غیر معینہ مدت تک ملتوی کرنا پڑا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جب صحت کاملہ کے ساتھ واپس لوٹے تو ایک بار پھر سینی ٹوریم کا کام آپ کے سپرد ہوا اور اس طرح آپ تقریباً 25 سال کے عرصے تک 1939ء تا 1964ء اسی سینی ٹوریم سے وابستہ رہے۔

چھ سال کی انتھک محنت سے آپ نے اس سینی ٹوریم کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا کہ اس میں توسیع کے باوجود مریضوں کو داخلے کے لئے باری کا انتظار کرنا پڑتا۔ متحدہ ہندوستان میں اس سینی ٹوریم کو شہرت حاصل ہوگئی۔ عوام آپ کے حسن سلوک کے گرویدہ تھے۔ آپ کی تشخیص اور علاج دونوں پر بھروسہ کرتے

تھے۔ دوسری طرف حکام آپ کی طبی مہارت اور انتظامی صلاحیتوں سے متاثر تھے۔ آپ کی خدمت کے اعتراف میں 10 نومبر 1944ء کو حکومت برطانیہ کی طرف سے آپ کو ''خان بہادر'' کا اعزاز دیا گیا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایک شفیق انسان تھے، خود طویل عرصہ تک تپ دق کے مریض رہ چکے تھے اور آپ مریضوں سے ایک خاص ذاتی سا لگاؤ محسوس کرتے تھے۔ ڈاڈر سینی ٹوریم کے مریض اور معالج ایک انوکھے سے رشتے میں منسلک تھے۔ آپ کی ایک سابقہ مریضہ مس بلقیس چیمہ نے سینی ٹوریم کے تجربات کو ایک ناول کی صورت میں لکھا ہے جسے انہوں نے ''جلتے بجھتے دیپ'' کا نام دیا۔ وہ خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے اپنی پہلی ملاقات کا حال کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں:

''السلام علیکم، کیا حال ہے، ایک شفیق سی آواز سنائی دی، شفقت، محبت، نرمی، حلیمی، وقار و سنجیدگی، رعب و دبدبہ، یعنی جلال و جمال کا پیکر۔۔۔۔ یہ تھے خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان، انچارج ڈاڈر سینی ٹوریم'' وہ مزید لکھتی ہیں:

''خان بہادر صاحب مسکرائے اور بڑی شفقت سے بولے، آپ اپنی بیماری کے متعلق فکر کرنا چھوڑ دیں۔ آپ کی بیماری کے متعلق فکر کرنا اب ہمارا کام ہے۔ آپ خوش رہیں۔ ڈاکٹروں کے ساتھ تعاون کیجئے، یہی آپ کا کام ہے، خان بہادر صاحب چلے گئے اور بیماری کے متعلق میرے پریشان کن خیالات بھی ساتھ لے گئے۔''

ڈاڈر سینی ٹوریم کی ایک دوسری مریضہ رابعہ خانم کے تاثرات:

''قسمت مجھے ڈاڈر سینی ٹوریم لے آئی۔ حد سے گزری ہوئی بیماری، صحت یابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔۔۔ ایسے وقت میں ایک مسیحا جس کی شخصیت عظمت، پاکیزگی، شفقت اور محبت کا ایک حسین امتزاج تھی، جو ہر دُکھی کا خدا کے بعد سہارا تھا۔ جو دوا کے ساتھ اپنے مریض کے لئے سحر میں دعا گو ہوتا تھا۔ اس کی بے پناہ توجہ، شفقت اور مہربانی مجھے خدا کے فضل سے موت کی وادیوں سے واپس کھینچ لائی۔۔۔ اُسی کی دعا، توجہ، مہربانی اور علاج نے صحت لوٹا کر فعال دنیا میں پہنچا دیا۔''

حج (دو مرتبہ)

اکتوبر 1947ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج بیعت اللہ کی سعادت نصیب کی۔ دوسری مرتبہ آپ ستمبر 1950ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اس مرتبہ آپ شاہ عبدالعزیز بن سعود کی خاص دعوت پر تشریف لے گئے تھے۔ 1947ء کے حج کے موقع پر مولوی اسماعیل غزنوی صاحب آپ کے حج کے معلم تھے اور شاہ عبدالعزیز بن سعود سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ غزنوی صاحب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے حسن اخلاق اور طبی مہارت سے بہت متاثر ہوئے اور شاہ سعود سے آپ کا غائبانہ تعارف کرایا۔ غزنوی صاحب کی ہی وساطت سے آپ کو بطور شاہی مہمان حج کی دعوت دی گئی کہ آپ حج کی سعادت کے ساتھ شاہ عبدالعزیز بن سعود کو طبی مشورہ بھی دیں۔ سعودی عرب کے فرماں روا نے آپ کو اپنا ذاتی معالج مقرر کرنے کی پیشکش بھی کی مگر آپ نے اپنی قوم اور اہل وطن کی خدمت کو مقدم رکھتے ہوئے شاہی اعزازات اور مال و دولت کو ٹھکرا دیا۔

ڈاڈر میں نماز اور درس کا سلسلہ

ڈاڈر سینی ٹوریم میں با قاعدہ نماز باجماعت کا اہتمام فرماتے تھے۔ سینی ٹوریم میں آپ نے مسجد تعمیر فرمائی تھی اور آپ خود امامت فرماتے اور درس دیتے تھے۔ مگر وطن عزیز کی آزادی کے چند سال بعد ہی مفاد پرست عناصر نے سر اٹھایا اور سینی ٹوریم کے پرسکون ماحول کو برباد کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں مسجد میں سرکاری طور پر ایک مولوی صاحب مقرر ہو گئے اور آپ نے نماز اور درس کا سلسلہ گھر تک محدود کر دیا۔ تاہم بہت سے غیر احمدی احباب اپنی خواہش سے ان میں شریک ہوا کرتے تھے۔

1953ء اینٹی احمدیہ ایجی ٹیشن

اینٹی احمدیہ ایجی ٹیشن میں خطرے کی آڑ لے کر حکومت وقت نے آپ کو پشاور بلا کر آپ کی حیثیت سے کم تر جگہ پر تعینات کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے پھر

قدرت نمائی کی اور وہ حکومت ہی تبدیل ہوگئی اور آپ کی ذات پر اس امتحان کے بدلے میں آپ کو قائم مقام آئی جی کا منصب عطا ہوا کیونکہ انہی ایام میں آئی جی صاحب دو ماہ کے لئے بیرون ملک چلے گئے تھے۔ دو ماہ بعد آپ ڈاڈر سینی ٹوریم واپس تشریف لے گئے۔ اس طرح کئی بار ڈاڈر سینی ٹوریم کو آپ کی سربراہی کے بغیر چلانے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ جب 55 سال کی عمر میں آپ کی ریٹائرمنٹ کا وقت آیا تو حکومت نے آپ سے خصوصی درخواست کر کے آپ کی ملازمت میں تین مرتبہ خاص مراعات کے ساتھ توسیع کی اور آپ اکتوبر 1963ء میں ڈاڈر سے ایک سال کی رخصت لے کر عزت اور احترام سے رخصت ہوئے اور اکتوبر 1964ء میں ریٹائر ہوگئے۔ حکومت پاکستان نے آپ کو 1961ء میں ستارۂ خدمت سے نوازا۔

ایبٹ آباد: اکتوبر 1963ء تا جون 1974ء

ایبٹ آباد میں آپ سے مکان ''دارالسعید'' کے ملحق آپ کا کلینک تھا، جس میں آپ صرف ڈیڑھ دن پریکٹس کرتے تھے۔ اب آپ نے باقاعدہ پریکٹس شروع کردی۔ دس سال کا یہ دور آپ کے لئے مالی طور پر خوش حالی کا زمانہ تھا اور اس کے ساتھ ساتھ جماعت احمدیہ ہزارہ کے لئے خاص تقویت کا باعث تھا۔ 1963ء میں اپنے مکان کے قریب ایک زمین کا ٹکڑا خرید کر مسجد کی تعمیر شروع کرائی۔ مسجد کا نچلا حصہ مکمل ہونے تک عوام الناس کو اندازہ نہ تھا کہ یہ عمارت کس مقصد کے لئے بن رہی ہے جب بالائی حصے پر کام شروع ہوا تو مخالفین سلسلہ نے محلے داروں سے گٹھ جوڑ کر کے تعمیر کا کام رکوا دیا۔ مگر مسجد کے مکمل شدہ حصے میں نماز اور درس کے سلسلے کا آغاز کر دیا گیا۔ نماز جمعہ اور عیدین پر مضافات سے بھی جماعت کے احباب تشریف لے آتے اور اچھی خاصی رونق ہو جاتی تھی اور سالانہ سہ روزہ جلسوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا۔ جب جامع مکمل ہوگئی تو آپ نے مرکز سے اجازت حاصل کر کے نوجوانوں کی تربیت کے لئے موسم گرما میں ''سمر سکول'' کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا، جس میں اکابرین جماعت اور مولانا صدر الدین صاحب بہ نفس نفیس شرکت فرماتے تھے۔ اساتذہ میں نصیر احمد فاروقی صاحب، مرزا مسعود بیگ صاحب، صالح نور صاحب، پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب اور خود ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے نام نمایاں ہیں۔ اس وقت جماعت احمدیہ ایبٹ آباد بے انتہا فعال تھی اور ایک مثالی جماعت تصور ہوتی تھی۔ مسجد کی یہ پررونق محفلیں احمدیہ دشمن عناصر کی آنکھوں میں کھٹکنے لگیں اور 1974ء کے فسادات نے ان رونق بھری محفلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ جامع احمدیہ ایبٹ آباد کی پیشانی پر باہر کی طرف ابھرا ہوا کلمہ اس کی خاص خوبصورتی تھا، جو دور سے نظر آتا تھا۔ یہ ایک احمدی مصور مرزا عبداللطیف بیگ صاحب نے بے انتہاء محنت سے بنایا تھا۔ 1974ء میں اللہ تعالیٰ نے اسے بلوائیوں کی پہنچ سے دور رکھا لیکن 1984ء کے ضیاء آرڈیننس کے نفاذ کے بعد اس کلمہ کو شہید کر دیا گیا جس کے شکستہ ٹکڑے ڈاکٹر عبدالکریم سعید (آج کے دور کے امیر) نے ایک فریم میں محفوظ کیے اور اس کے متعلق ایک نظم بھی لکھی۔ یہ فریم اب حضرت امیر کے دفتر کی زینت ہے۔

سانحات 1974ء اور ہجرت لاہور

1974ء کے واقعات اور سانحات نے جماعت احمدیہ لاہور کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور دیگر احباب جماعت جو تشدد کا براہ راست نشانہ بنے تھے، اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور لاہور مرکز میں تشریف لے آئے۔ سانحات 1974ء سے قبل کی تاریخ احمدیہ پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو ہر دور میں اس جماعت کی مخالفت ہوتی آئی ہے۔ بار بار احمدی ظلم کا نشانہ بنے اور ہر ابتلا میں ثابت قدمی اور ایثار کی مثالیں قائم کرتے چلے گئے۔ پاکستان میں مذہب کے نام پر سیاسی دہشت گردی ملاؤں اور سیاست دانوں کے پاس ایک ایسا آزمودہ ہتھیار تھا اور ہے کہ وہ اپنے مفاد کے لئے اسے استعمال کرتے چلے آئے ہیں اور ''اسلام خطرے میں ہے''، ''ختم نبوت خطرے میں ہے''، قسم کے نعروں سے جماعت احمدیہ کی مخالفت کا طوفان برپا کر کے حالات کو اپنے لئے سازگار بنانے کی خاطر امن عامہ اور نظم و نسق کا

مسئلہ کھڑا کرتے رہے ہیں۔ایسے بحران پاکستان میں کئی مرتبہ ہوتے رہے ہیں مگر 1974ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت نے جوشورش برپا کی اس نے پاکستان بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔کئی جانوں کا اتلاف ہوا اور املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ ہزارہ میں اس تحریک کی دہشت گردی نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو براہ راست نشانہ بنایا۔

11 جون 1974ء کا دارالسعید پر حملہ ایک ایسا دل خراش سانحہ ہے جس سے تحریک احمدیہ بری طرح متاثر ہوئی۔اس سانحہ سے تقریباً ایک سال قبل، جب تحریک تحفظ ختم نبوت زور پکڑ رہی تھی، ایک دو مرتبہ آپ کے گھر میں اور آپ کے کلینک پر بم پھینکے گئے۔

23 اپریل 1973ء کو رات کے وقت کلینک میں انتہائی خوفناک دھما کہ ہوا جس سے خاصا نقصان ہوا۔27 جون 1973ء کو نماز فجر سے کچھ دیر کے بعد آپ کے گھر کے مشرقی صحن میں بم پھینکا گیا جس سے گھر کے درو دیوار لرز گئے مگر گھر کے چند شیشے ٹوٹنے سے بڑھ کر نقصان نہیں ہوا۔11 جون 1974ء کو دارالسعید پر لاکھوں کے ہجوم نے حملہ کیا۔ بلوائیوں کو پولیس اور سرکاری حکام کی حمایت حاصل تھی۔شر پسندوں نے جمال بلڈنگ،صدر بازار کی عمارت کو پہلے آگ لگائی اور پھر دارالسعید کا رخ کیا۔ جمال بلڈنگ کو جلانے کی وجہ وہ تین دکانیں تھیں جو ماسٹر اصغر علی صاحب، احمد صادق صاحب اور الٰہی بخش صاحب احمدیوں کی تھیں۔تمام بلڈنگ جل کر راکھ ہوگئی۔جب جلوس دارالسعید پہنچا تو پولیس فورس، جو گھر کی اور گھر کے مکینوں کی حفاظت پر مامور تھی،اس کے انچارج افسر نے خود آگے بڑھ کر مین گیٹ کھول دیا۔ بلوائیوں نے مال اسباب لوٹا اور گھر کا وہ حصہ جو سڑک کے ساتھ تھا اسے آگ لگا دی۔کلینک کو بارودی مواد سے اڑایا اور پھر گھر کے نچلے حصہ میں جہاں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے اہل خانہ کے علاوہ دوسرے احمدی خاندان بھی محصور ہو کر رہ گئے تھے۔آگ لگانے کے لئے پٹرول اور مٹی کے تیل سے بھیگی ہوئی بوریوں اور دیگر چیزوں کو آگ لگا کر پھینکتے رہے اور گھر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے۔بلوائیوں کا خاص مقصد آپ کی ذات کو نقصان پہنچانا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص انتظام سے آپ کی ذات اور عزت و ناموس کو محفوظ رکھا۔آپ کے پاس اور آپ کے ساتھیوں کے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی سامان نہ تھا مگر ایک فرشتہ رحمت ان لمحات میں آپ کے ساتھ موجود تھا، جس نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر آپ کی حفاظت کرنا تھی۔وہ تھے آپ کے داماد کرنل فیروز عالم خان، جو جلوس کے گھر کے قریب پہنچنے سے چند لمحے ہی پہلے گھر پر آئے تھے۔اُن کی فوجی حکمت عملی سے گھر میں موجود سب کی جانیں محفوظ رہیں مگر فیروز عالم خود بلوائیوں کی گولی سے زخمی ہوگئے۔یہ شیطانی تماشہ کئی گھنٹے جاری رہا جس کے بعد ہجوم گھر کے اندر سے معمولی فائرنگ سے خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔اس کے بعد پولیس حکام اور سول حکام گھر کے اندر آئے۔ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اُن سے سے فیروز عالم کو ہسپتال پہنچانے کی درخواست کی اور بار بار کی لیکن وہ ٹال مٹول کرتے رہے کہ اسی اثنا میں فیروز عالم کے ذاتی فوجی دوست گھر میں آئے اور خون بہہ جانے سے بالکل نڈھال فیروز عالم کو ہسپتال پہنچایا (اللہ تعالیٰ اُن کی اس قربانی کو ضرور اجر عظیم سے نوازے گا۔)

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو اس خطرے کی بھی اطلاع ملی کہ رات کے وقت گھر کو بارودی مواد سے اڑانے کا پروگرام طے ہوگیا ہے اور آپ کو رات گھر پر بسر نہ کرنے کا مشورہ دیا گیا۔چنانچہ آپ بمع اپنے تمام ساتھیوں کے ایک بس کے ذریعے اپنے فرزند عبد اللہ سعید کے گھر منتقل ہوگئے۔72 بے گھر افراد عبد اللہ سعید کے ذاتی مہمان تھے جہاں سب کا قیام کافی دنوں تک رہا۔پی۔ایم۔اے میں پہنچنے کے بعد کا منظر، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر کا ایک اقتباس

''پی۔ایم۔اے کا کول کا گیٹ آیا، کرنل شکور جان اترا، گیٹ کھلوایا اور ہم کمانڈنٹ ہاؤس میں پہنچے۔عبد اللہ اور اُن کی بیوی انجم دونوں برآمدے کے آگے کھڑے تھے۔اپنے مہمانوں کو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔کیا پروقار وہ پہنچنا تھا اور کیا عظیم وہ استقبال تھا۔انجم نے مستورات کا چارج لیا، بڑی خاموشی

اور کمال سنجیدگی سے عورتیں کمروں میں داخل ہوئیں۔ مرد برآمدے میں پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میری رقت تو ایک معروف کمزوری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی تھی کہ میں اس دن اور اس وقت بھی جب عبد اللہ سے بغل گیر ہوا اور نہ بعد ہی میں رقت سے مغلوب ہوا۔

جب سب لوگ بیٹھ گئے تو میرے دل میں ایک احساس پیدا ہوا جس کا اظہار میری زبان نے ان الفاظ میں کیا: ''عزیزو اور دوستو! ہماری زندگی کے یہ لمحات کوئی معمولی واقعات نہیں، یہ عظیم موقع ہر کس و ناکس کے نصیب میں نہیں ہوا کرتا۔ ہم اللہ کے اس احسان عظیم کا شکر کن الفاظ میں ادا کریں۔ ہم اس وقت مہاجر ہیں اور یہ گھرانہ ان کے رفقائے کار انصار ہیں۔ یہ ہماری نسبت ہے۔ آؤ ہم اللہ کا شکر ادا کریں اور اس کے فیصلوں پر بہ طیب خاطر راضی اور خوش ہو جائیں۔''

7 ستمبر 1947ء کے اسمبلی کے فیصلے کے بعد احمدی دائرہ اسلام سے خارج کر دیئے گئے۔ آپ نے ایبٹ آباد یعنی اپنے آبائی وطن سے ہجرت کا فیصلہ کر لیا اور لاہور تشریف لے آئے۔ آپ کی میزبانی کا شرف آپ کے داماد چوہدری منصور احمد صاحب اور دختر خدیجہ بیگم کو حاصل ہوا۔ لاہور تشریف آوری سے قبل بھی کئی ممبران جماعت نے ذاتی طور پر آپ کو لاہور تشریف لا کر اپنا مستقل گھر بنانے اور کلینک کھولنے کی دعوت دی تھی۔ مگر آپ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب جس طرح بھی، جو خدمت بھی انجمن آپ سے لے گی، آپ سرانجام دیں گے۔

لاہور تشریف لانے کے بعد مرکز، مقامی جماعت اور شبان کے نمائندوں نے آپ سے الگ الگ دارالسلام میں رہائش اختیار کرنے کی گزارش کی اور مجلس منتظمہ اور مجلس معتمدین کے اجلاس میں بھی یہ پیشکش کی گئی۔ آپ نے اسے رضائے الٰہی سمجھ کر قبول فرمایا اور مجلس منتظمہ کے 17 ستمبر کے اجلاس میں اس پیشکش کو قبول فرمایا۔

دسمبر 1974ء میں آپ نے دارالسلام میں واقع ''صدر ہاؤس'' میں رہائش اختیار کی۔

1974ء میں غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد جماعت کو ایک شدید دھچکا لگا تھا۔ جماعت کے افراد بالعموم جماعت کے مستقبل کے بارے میں ایک غیر یقینی کیفیت کا شکار تھے۔ بہت سی مایوس کن باتیں جماعت میں پھیل رہی تھیں۔ انجمن کے دفاتر بند کرنے اور نام تبدیل کرنے کی بھی تجاویز سامنے آئیں۔ مگر آپ اس کے متعلق بالکل اٹل ارادے رکھتے تھے۔ آپ نے واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اگر آپ بالکل تنہا بھی رہ گئے تو جو بیعت امام وقت کے ہاتھ پہ کی ہے، اس کو نبھائیں گے۔

آپ کی اس قوت ایمانی اور عزم صمیم سے جماعت کے افراد کے حوصلے بڑھے اور بے پناہ تقویت حاصل ہوئی۔ جماعت کو اس کٹھن دور سے گزرنے کے لئے ایک دوسرے سے رابطہ اور تعلق قائم رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فی الفور رابطہ دوروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور جلسہ سالانہ 1974ء سے قبل کئی شہروں میں تشریف لے گئے اور جلسہ سالانہ جس کا انعقاد ہی غیر ممکنات میں سے تھا، نہایت کامیابی سے منعقد ہوا۔ آپ کے حوصلے، عزم اور استقلال، صبر و تحمل اور وسعت قلبی نے آپ کو ایک غیر معمولی انسان بنا دیا تھا اور انہی صفات نے جماعت احمدیہ کے احباب کو ایک نیا حوصلہ بخشا اور جماعت ایک دفعہ پھر زندہ نظر آنے لگی۔ جلسہ سالانہ 1974ء کے بعد جماعت ایک نئے ولولے اور جوش سے آگے بڑھنے کو تیار تھی۔

سینئر نائب صدر: دسمبر 1974 تا 1981ء

امیر جماعت: 16 نومبر 1981ء تا نومبر 1996ء

مفتی شہر نے جنہیں کافر و ملحد سمجھا

دین کے وہ قافلہ سالار نظر آتے ہیں

اگرچہ تاریخی طور پر 15 نومبر 1981ء تک کا دور حضرت مولانا صدر الدین صاحب کی امارت کا تھا مگر واقعاتی اعتبار سے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے امیر اور استاد محترم کے دستِ بازو بن کر گھرے طوفانوں میں

گھری جماعت کی ناؤ کو بہت خوبی سے بیرونی طوفانوں اور اندرونی توڑ پھوڑ سے بچانے کے کام میں مصروف ہو گئے۔

جماعت کی شیرازہ بندی

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایک مومنانہ شان اور آہنی ارادوں کے مالک تھے۔ آپ کے مثبت اندازِ فکر نے خوف وحراس کے شکار منتشر قافلے کو از سر نو مسیح موعودؑ کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ احمدیت کے اس بائیس سالہ دور کی تاریخ میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے جو کردار ادا کیا وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ جماعت کی شیرازہ بندی میں آپ کا کام بطور چیئرپرسن تبلیغ بلادِ غیر کمیٹی بطور نائب صدر اور پھر بحیثیت امیر جماعت یکساں اہم ہے۔

سینئر نائب صدر اور چیئرپرسن تبلیغ بلادِ غیر کمیٹی

جماعت احمدیہ لاہور کے مقاصد میں بیرون ملک تبلیغ کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس سلسلے میں خواجہ کمال الدین صاحب کے ووکنگ مسلم مشن کا قیام اور متعدد افراد کا قبولیت اسلام اور مولانا صدر الدین صاحب کی جرمنی میں مسجد کی تعمیر اور جرمن زبان میں ترجمہ قرآن سرفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ کئی دیگر مبلغین کی کوششوں سے انڈونیشیاء جنوبی افریقہ، فجی جزائر غرب الہند اور امریکہ میں جماعتیں قائم ہوئیں۔ 1974ء کے شدید دھچکے کے بعد اب مرکز کی نگاہیں تبلیغ بلادِ غیر (بیرون ملک تبلیغ) پر مرکوز تھیں۔ ان جماعتوں کو از سر نو فعال بنانے اور متحد کرنے کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اس سلسلے کا پہلا قدم یہ تھا کہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو اس کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا اور آئندہ سالوں میں آپ ہی کو اُن مندوبین کی سربراہی کا اعزاز حاصل ہوا جو بیرون ملک دوروں پر گئے۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے بیرون ملک جماعت بندی میں جو کردار ادا کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت کا انتخاب درست تھا اور اس کام کے لئے آپ ہی موزوں شخص تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے 1975ء سے 1984ء کے زمانہ میں بیرون ملک آٹھ دورے کیے۔ آپ انگلستان، نیدر لینڈ، جرمنی، جزائر غرب الہند، امریکہ اور کینیڈا تشریف لے گئے اور ہر مقام پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام سے جماعتیں رجسٹر کرائیں، جو مرکز سے منسلک رہ کر کام کرنے کی پابند تھیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ''الوصیت'' میں یہ بات نہایت واضح الفاظ میں تحریر فرمائی تھی کہ جو شاخیں باہر قائم کی جائیں وہ مرکز کے ماتحت ہوں اور اسی نام سے قائم کی جائیں اور کوئی ایسا ادارہ نہ بنایا جائے جو خود مختار ہو۔ آپ کے مستحکم ارادوں اور بلند حوصلے کے سامنے اندرون ملک اور بیرون ملک تمام وہ تحریکیں دم توڑ گئیں جو مرکز سے علیحدگی اور خود مختاری کی حامی تھیں یا جماعت میں انتشار پھیلانا چاہتی تھیں۔ آپ نے اپنے عزم اور حوصلے سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی مرکزی حیثیت اور اس کی بالادستی کے قیام کو ممکن بنایا۔

انتظامی امور اور مجالس میں کردار

جماعت احمدیہ لاہور کے تمام انتظامی امور کے فیصلوں کی مجاز مجلس منتظمہ اور مجلس معتمدین ہیں۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جو بھی قدم اٹھاتے وہ ان مجالس کے فیصلوں کے مطابق ہوتے تھے۔ لیکن اپنے وسیع انتظامی تجربات اور مومنانہ بصیرت کی وجہ سے اگر کوئی فیصلہ انجمن کے مفاد کے خلاف ہوتا تو اس کی تائید نہ فرماتے اور مدلل بحث سے اپنا نقطہ نظر پیش کرتے تھے۔ آپ دوسروں کی رائے بھی نہایت صبر وتحمل سے سنتے تھے اور کثرت رائے سے کیے گئے فیصلوں کی بلا تامل قبول کرتے تھے۔ جماعت کا اتحاد آپ کے لئے سب سے اہم تھا اور سب جماعت کو لے کر آگے بڑھنا آپ کی دلی خواہش تھی، اس لئے آپ اپنی ذاتی رائے یا حکم مسلط نہ فرماتے تھے۔ جماعت کی مجالس میں بعض اوقات اختلاف رائے، جھگڑے اور تکرار بھی ہو جاتی تھی۔ اراکین مجلس حضرت امیر سے درشتی سے بھی بات کرتے تھے مگر آپ نے کبھی جواباً کوئی تلخ کلامی نہیں فرمائی اور جماعتی امور میں اختلاف کی وجہ سے اپنے دل میں کوئی میل نہیں رکھا۔

تراجم قرآن وکتب

حضرت مسیح موعود نے پیغام حق کو دور دراز ممالک میں پھیلانے کے لئے

اپنی زندگی میں ہی تحریرات کے سلسلے کا آغاز کر دیا تھا۔ لاہور احمدیہ جماعت کے پاس انگریزی اور دوسرے لٹریچر کا ایک لامحدود خزانہ موجود تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اس فرمان کی تعمیل میں کہ دوسری زبانوں میں تراجم کیے جائیں، حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تراجم کا آغاز فرمایا۔ آپ کے فرزند عبداللہ سعید کے زیر اہتمام اس کام کی ابتداء ہسپانوی ترجمۃ القرآن سے ہوئی۔ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات سے قبل چینی، فرانسیسی، روسی اور جرمن زبانوں میں تراجم کے کام میں کافی پیش رفت ہوئی۔ ہندی ترجمۃ القرآن کا آغاز کشمیر میں ڈاکٹر خورشید ترین کر چکے تھے اور دیگر چند کتب پر بھی کام ہو رہا تھا۔ حضرت امیر کی یہ خواہش تھی کہ ملک کے اندر نوجوان دوسری زبانیں سیکھیں اور یہ کام سنبھالیں۔

دیگر ذرائع ابلاغ کا استعمال

حضرت امیر نے احمدیہ لٹریچر کو محفوظ کرنے کے لئے اس کی مائکروفلمنگ کرائی۔ جب کمپیوٹر متعارف ہوا تو آپ نے کمپیوٹر کے ذریعے کتب کو محفوظ کرنے کے کام کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور یو۔ ایس۔ اے نے اپنی ویب سائیٹ www.muslim.org کے نام سے متعارف کرائی جو بہت جلد مقبول ہوگئی۔ اگرچہ مرکزی انجمن کی ویب سائیٹ www.aaiil.org حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کے دور امارت میں قائم ہوئی مگر اس سے بہت قبل حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اجازت اور دعا کے ساتھ آپ کے پوتے ڈاکٹر مجاہد احمد سعید کتابوں کی منتقلی کا کام شروع کر چکے تھے۔ حضرت امیر نے ٹیچنگ آف اسلام کی اپنی ذاتی کاپی مجاہد کو ایک تحریر اور دعا کے ساتھ بھیجی تھی کہ وہ اس سے کام کی ابتداء کریں۔

خواتین کی حوصلہ افزائی

آپ نے تنظیم خواتین کی بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کے کام میں خاص دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ بلکہ آپ کی حوصلہ افزائی سے وہ دیگر شہروں کے دوروں کے لئے بھی تشریف لے جانے لگیں۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کو آپ نے سرینام کے کنونشن کے لئے خاص طور پر نامزد کیا۔

بچوں اور نوجوانوں کی حوصلہ افزائی

بچے اور نوجوان اپنے ماحول سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ آپ نے بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کے لئے موزوں ماحول پیدا کیا۔ تربیتی کورس جو اولاً ایبٹ آباد میں ہوتا تھا، آپ نے مرکز میں اس کا انعقاد ممکن بنایا۔ جلسوں اور تقریبات کو اہمیت دی اور سب سے بڑھ کر جس بات نے بچوں اور نوجوانوں کو متحرک کیا وہ حضرت امیر کی اپنی ذاتی شفقت اور محبت تھی جو وہ ان سے کرتے تھے۔ نماز، درس اور دیگر اجلاس میں شمولیت پر تعریفی کلمات، انعامات اور خطبات سے حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ بچوں کی معصوم شرارتوں پر کبھی سرزنش نہ کرتے تھے۔ آپ کا دل اس یقین سے معمور تھا کہ یہی بچے کل کے مفکر، مقرر اور خطیب ہوں گے۔ شبان الاحمدیہ کے زیر اہتمام نوجوانوں اور بچوں کے ذہنی آزمائش کے پروگراموں میں اختتام تک بیٹھے رہتے۔ شبان کے ایک جلسے میں دوران تقریر آپ نے فرمایا: ''آج جبکہ نوجوان اس عزم سے اٹھے ہیں کہ ہم تحریک احمدیت کو آگے بڑھائیں گے تو پھر آپ کے لئے ضروری ہے کہ کسی قسم کے مخالف حالات سے مایوس ہوکر یا گھبرا کر پیچھے نہ ہٹیں بلکہ اس عزم کے ساتھ آگے بڑھیں کہ ہم حق پر ہیں اور خدا ہماری پشت پر ہے۔''

آپ نے مزید فرمایا:

''بھلا اس سے بڑھ کر ہماری کیا خوش قسمتی ہوسکتی ہے کہ ہماری دلی تڑپ اور آرزو پوری ہوکر ہم آئندہ اپنی قیادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنے ہاتھوں سے جماعتی ذمے داریاں ان کے کاندھوں پر منتقل کر دیں۔''

آپ ہر درجہ کے جوہر شناس تھے یعنی آپ اپنی فراست سے اندازہ لگا لیتے تھے کہ کون کیا کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نوجوانوں کو جلسہ سالانہ میں تقاریر پر آمادہ کرتے، تحریرات کے تراجم، احمدیت سے متعلق سوالوں کے جوابات اور دیگر ایسے کئی کاموں کی طرف راغب کرتے۔ ایسے نوجوانوں میں

جنہوں نے آپ کے حوصلہ بڑھانے سے آگے قدم بڑھائے، اُن میں سے چند نام موجودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید، ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب، ڈاکٹر حامد رحمٰن صاحب اور ڈاکٹر نعمان الٰہی صاحب کے ہیں۔ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دارالسعید سے ہجرت فرما کر دارالسلام میں آبسے تھے۔ آپ کو تمام جماعت کے ساتھ گہرا لگاؤ تھا مگر دارالسلام کے مکینوں سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ لیکن اُن کا ناتواں جسم شاید اب جماعت کا بھاری بوجھ اور ذمے داریاں اٹھانے کا متحمل نہ ہوسکتا تھا۔ 1995ء تا 1996ء میں آپ کی کمزوری بتدریج بڑھتی گئی اور آپ چند ہفتے ''شیخ زید ہسپتال'' میں زیر علاج رہے مگر آپ کو اگلے سفر کا حکم ہو چکا تھا۔ اور اب کے یہ سفر دارالسلام سے دارالسلام تک کا تھا۔''

الحمدللہ ایک طویل عرصے تک آپ کی صحبت کا فیض ہمیں میسر ہوا۔ آخر میں میں صالح نور صاحب کی ایک نظم جو انہوں نے جماعت کے ساتھیوں کو مخاطب فرما کر لکھی تھی، کا ایک شعر پیش کرتی ہوں:

خلد تک بیٹھا نہیں رہتا کوئی مردِ سعید
اپنے اندر سے ہی مردانِ باصفا پیدا کرو

اطلاع برائے احباب جماعت

مجلس منتظمہ نے اپنے اجلاس مورخہ 05-11-2017 ریزولیوشن نمبر 914 میں درج ذیل فیصلہ کیا ہے۔ برائے اطلاع وعمل درآمد تحریر خدمت ہے۔

''ممبران کی طرف سے اجلاس میں عطیات کے بارے میں معاملہ پیش ہوکر فیصلہ ہوا کہ ذاتی حیثیت سے کوئی بھی فرد انجمن کے نام پر عطیات وصول نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اور صرف مرکزی انجمن کا اختیار ہے۔ لہذا ہدایت کی جاتی ہے کہ کوئی بھی شخص ذاتی حیثیت سے کسی قسم کا عطیہ وغیرہ اکٹھا نہ کرے۔

تمام عطیات وغیرہ مرکزی انجمن کے نام پر اکٹھے ہوں گے اور انجمن کے خزانہ میں جمع ہوں گے۔''

جنرل سیکرٹری
احمدیہ انجمن لاہور

اللہ کی راہ میں کام کرنے والوں کو اللہ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے

تقریر مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب مرحوم

انتخاب از ارشد علوی

بعض واقعات انسانی زندگی میں ایسے آجاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر انسان کا کامل اور پختہ ایمان تازہ کر دیتے ہیں۔ 1918ء کی بات ہے جب پنجاب بھر میں انفلوائنزا بکثرت اور مہلک رنگ میں پھیل رہا تھا۔ لاہور شہر کی یہ حالت تھی کہ چاروں طرف سے گھروں سے رونے اور ماتم کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں بھی اس میں مبتلا ہوگیا اور میری اہلیہ بھی اس کی لپیٹ میں آگئی۔ دونوں کی بیماری کی علامات ایک جیسی تھیں۔ وہ غریب تو ایک ہفتہ کے اندر وفات پاگئی اور میں اس بیماری میں لٹک گیا۔ حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم باقی دوستوں کے مشورہ سے مجھے اپنی بیٹھک پر لے گئے ہماری جماعت کے چھ ڈاکٹر آپس کے صلاح مشورہ سے میرا علاج کرتے تھے مگر بیماری دن بدن زور پکڑتی گئی جب ایک ماہ اس پر گزر گیا تو ایک دن میری زندگی میں ایسا بھی آیا کہ میں زندگی سے مایوس ہوگیا اس وقت میرے دل سے ایک دعا نکلی، اے اللہ میں نے سنسکرت زبان سیکھنے پر بہت محنت کی ہے اور اس لئے کی ہے کہ تیرے دین کی خدمت کرسکوں۔ مرنا ضرور ہے تو نے جان دی ہے ایک نہ ایک دن لے بھی لے گا مگر مجھے حسرت یہ ہے کہ مجھے موقعہ نہیں ملا تو مجھے اتنی توفیق دے کہ تیرے دین کی خدمت کرسکوں اور اپنے بعد بھی کسی کو یہ کام کرتا ہوا دیکھ سکوں، میری آنکھوں میں آنسو تھے اور دل میں اضطرار۔ اس کے بعد ایک زور کی آواز نے مجھے پانچ چیزیں بتائیں۔ میں نے اس آواز کو جاگتے ہوئے اسی طرح سنا جس طرح آپ میری آواز سن رہے ہیں۔ آواز یہ تھی خوب کلاں، اسپغول، شربت بزوری، عرق کیوڑہ اور بید مشک، یہ آواز سنتے ہی میں نے ڈاکٹر صاحبان کی دوائی سڑک پر گرادی۔ اور یہ پانچ چیزیں استعمال کیں اس کی پہلی خوراک سے بخار کا زور ٹوٹ گیا اور وہ اپنا وقت بھی چھوڑ گیا۔ دوسرے دن میں نے اس دوا کی صرف دو خوراک استعمال کیں اور میں ایسا محسوس کرنے لگا کہ میں بیمار ہوا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح کے واقعات میری زندگی میں کئی دفعہ آئے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

میرے مکاشفہ کی عملی تعبیر

اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق دی کہ میں نے برصغیر ہندوستان میں آریہ سماج کے ساتھ پنجاب و ہندوستان میں جگہ جگہ مباحثات کئے اور ان کے بڑے سے بڑے پنڈت کو شکست دی۔ اس سے پیشتر مسلمانوں کا بڑے سے بڑا مولوی آریہ مناظرین کے بالمقابل بحث سے گھبراتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علماء میں سنسکرت کا عالم کوئی نہ تھا۔ میرے مناظروں سے شکست کھا کر آریہ پرتی ندھی سبھا، پنجاب نے اپنی سماجوں میں یہ سرکلر جاری کیا کہ عبدالحق کے ساتھ کسی جگہ مناظرہ نہ کیا جائے ایک دفعہ میں علی پور ضلع مظفر گڑھ جارہا تھا پنڈت راچندر دہلوی بھی اسی گاڑی میں تھا مگر گاڑی میں ہمیں ایک دوسرے کو دیکھنے کا موقع نہ ملا مظفر گڑھ اتر کر میں علی پور جانے والی بس پر سوار ہوا۔ پنڈت مذکور ہاتھ میں بیگ لئے اسی بس میں سوار ہونے کے لئے آیا۔ مجھے دیکھ کر حیران ہوا اور کہا کہ آپ کہاں جارہے ہیں۔ میں نے کہا جہاں آپ جارہے ہیں وہاں ہی جارہا ہوں تو گھبرا کر کہا کیا وہاں مناظرہ مقرر ہو چکا ہے۔ میں نے جواب دیا اگر نہیں ہوا تو بھی ہو جائے

گا، کہنے لگا میں آپ سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ میں نے کہا یہ آپ وہاں جا کر کہیں ۔ چنانچہ اس نے دوسرے دن آریہ سماج کے بھرے پنڈال میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں مولوی صاحب سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ وجہ یہ بتلائی کہ ایک موٹا تازہ مناظر کھڑا ہو کر لیکچر دیتا ہے اور اس کے بالمقابل ایک دبلا پتلا انسان کھڑا ہو جاتا ہے جس کی بات سن کر موٹا گرانڈیل مقرر کانپنے لگتا ہے، رعب جسم کا علم کے رعب کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا۔ میں اس جلسہ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مولوی صاحب سے بحث نہیں کروں گا۔ یہ شخص آدمیوں میں چوٹی کا مناظر تھا اور قرآن مجید نہایت خوش آوازی سے پڑھتا تھا۔

راولپنڈی کی آریہ سماج کا صدر ایک قابل وکیل تھا، اس نے میرے چند ایک مناظرے سنے تو مجھے جہاں دیکھتا ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ کسی نے کہا یہ تو آریوں کا دشمن ہے آپ اس کی تعظیم کرتے ہیں، اس نے جواب دیا کہ یہ اس قدر قابل انسان ہے کہ اگر یہ وکیل ہوتا تو ہزار ہا روپیہ روزانہ کماتا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آریہ سماج کا میں نے خوب مقابلہ کیا۔

مشہور مسیحی پادریوں سے مٹھ بھیڑ

عیسائی پادریوں احمد مسیح دہلوی پادری سلطان محمد اور پادری عبدالحق سے مقابلہ ہوا اس پر بھی ایک لطیفہ سنئے کہ ایک مرتبہ پادری عبدالحق سرگودھا میں لیکچر دینے گیا لوگوں نے مولوی ثنا اللہ امرتسری اور مجھے بھی ساتھ بحث کی دعوت دی ۔ میں نے سرگودھا پہنچ کر پادری کو مناظرہ کے لئے رقعہ لکھ بھیجا جس کا جواب دینے کی بجائے پادری صاحب اندر جا کر سو گئے اور دو گھنٹہ کے بعد باہر نکلے تو قاصد نے جواب طلب کیا، پادری صاحب نے کہا میں اس رقعہ کا جواب اپنی تقریر میں دوں گا۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ اور میں مسلمانوں کے ساتھ لیکچر گاہ میں پہنچے۔ دوران لیکچر میں میں نے وقت مانگا تو کہا کہ میں آپ سے مناظرہ نہیں کروں گا جب وجہ پوچھی تو گھبرا کر کہا اچھا ایک شرط پر کرتا ہوں کہ کوئی منصف مقرر کیا جائے جو میری اور آپ کی بحث پر فیصلہ دے ۔ میں نے کہا کیا اتنی پبلک فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہیں کہ ہم ایک شخص کے فیصلہ کے پابند ہو جائیں ۔ اس نے کہا نہیں منصف ضرور ہونا چاہیے اتنے میں اس نے ایک ہندو بیرسٹر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ منصف ہوں گے (وہ بیرسٹر عیسائیوں کے جلسہ کا پریذیڈنٹ بنا بیٹھا تھا) ابھی میں کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ بیرسٹر صاحب خود ہی کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں منصف نہیں ہو سکتا۔ کل پادری صاحب نے ایک گھنٹہ تقریر کی میری سمجھ میں تو خاک نہیں آیا کہ انہوں نے کیا کہا؟ پادری صاحب پھر کھڑے ہوئے اور کہا کہ کچھ بھی ہو میں آپ سے بحث نہیں کروں گا۔ اتنے میں مولوی ثناء اللہ صاحب کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میرے ساتھ مناظرہ کرو گے؟ پادری صاحب نے فوراً جواب دیا آپ کے ساتھ ضرور کروں گا۔ اب ثناء اللہ کو پیچھا چھڑانا مشکل معلوم ہوا تو کہا کہ دیکھئے پادری صاحب ہمارا اور آپ کا فرق تو بالکل تھوڑا سا ہے ہم بھی مسیح کو بے باپ پیدا شدہ مانتے ہیں ۔ آپ بھی ، مردے زندہ کرنے ، پرندے بنانے ، مادر زاد اندھوں کو بینائی دینے ، غیب کی خبریں بتانے ، آسمان پر زندہ چڑھ جانے ، بے گناہ ہونے آسمان پر زندہ موجود ہونے اور دنیا پر دوبارہ نازل ہونے کے ہم بھی قائل ہیں اور آپ بھی۔ میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کے ساتھ ہمارا اور آپ کا بہت اختلاف ہے، پہلے ہم دونوں مل کر اس سے مناظرہ کریں گے بعد میں ہم اپنا ذرا سا اختلاف نکال لیں گے، یہ سن کر پادری صاحب نے کیا خوب فی البدیع جواب دیا کہ مولوی صاحب وہ ذرا سا اختلاف پہلے کیوں نہ نکال لیا جائے اور پھر ایک ہو کر اس کا مقابلہ کریں جس پر ثناء اللہ ہنس کر بیٹھ گئے ۔

میرا تیسرا کام اُچھوتوں میں تبلیغ تھا

یہ تو میں صحیح طور پر نہیں بتا سکتا کہ کتنے ہزار اچھوتوں نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا لیکن یہاں پنجاب میں بازیگروں کی ایک قوم ہے جس کی

آبادی کئی ہزار پر مشتمل ہے، شالامار باغ کے قریب محمود بوٹی ایک گاؤں کے باہر بازی گروں کا ڈیرا اُترا ہوا تھا اس میں ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی اور 500 مرد اور عورتوں کو کلمہ طیبہ پڑھا کر مسلمان کیا جس کے اثر سے پنجاب کے تمام بازیگر جہاں جہاں اُن کے رشتہ دار تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ تقسیم پاک و ہند سے پہلے پشاور سے لے کر کشمیر مدراس، نیپال اور بنگال تک مجھے تقاریر اور مناظرے کرنے کا موقع ملا۔

تقسیم کے بعد جب شکار یہاں سے بھاگ گیا

تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پاکستان سے دنیا کے تین چکر لگانے کی توفیق بخشی۔ لندن، نیویارک، واشنگٹن، سانفرانسسکو، فیجی، ٹرینیڈاڈ، برہما، تھائی لینڈ، فلاڈلفیا اور جنوبی امریکہ میں برٹش، گیانا، ڈچ گیانا سب جگہ میرے لیکچر ہوئے۔ تبادلہ خیالات ہوا کئی ایک نیگروز نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے افضال ہیں اما بنعمة ربک فحدث کے طور پر میں نے ذکر کیا ہے۔

یہ ادارہ تعلیم القرآن

دراصل میرے اس مکاشفہ کا ایک حصہ یا میری دعا کا دوسرا جزو ہے جسے بعد میں میں نے حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی وفات کے بعد اپنے خواب میں دیکھا تھا اور مجھے امید ہے کہ یہ حصہ تمنا بھی کہ میں اپنی وفات سے پہلے اپنی جگہ کسی کو کام کرتا ہوا دیکھ لوں پورا ہو کر رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ انجمن کے ذرائع آمد کے موافق یہاں ہم نے ایک درجن طالب علم سر دست داخل کئے ہیں۔ آئندہ سال انشاء اللہ تعالیٰ دو جماعتیں ہو جائیں گی، ہمارا اور طلباء کا تعلق برادرانہ اور دوستانہ ہے اور یہی طریق تبلیغ بہتر ہے۔ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تبلیغ کرو عرض کیا رب ارنی کیف تحی الموتیٰ تو ہی سکھا یہ مردے کیونکر زندہ ہوں گے فرمایا فخذ اربعة من الطیر الخ، چار پرندے لو ان کو اپنے ساتھ ہلا لو، محبت ڈال لو، جب تو چار پہاڑوں پر سے بھی ان کو بلائے گا یہ دوڑتے ہوئے تیرے پاس آئیں گے۔

یہ ہے طریق تبلیغ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو سکھایا۔ ان طلباء کو -/75 روپے ماہوار وظیفہ انجمن دیتی ہے۔ اسی ادارہ میں یہ اقامت پذیر ہیں، قرآن مجید اور غیر مذاہب کے متعلق میں ان کو تعلیم دیتا ہوں۔ مولانا شیر محمد صاحب انہیں عربی صرف ونحو اور حضرت صاحب کی کتب اور عربی زبان سکھاتے ہیں، طالب علموں کے علاوہ دو مولوی صاحب درس نظامی کے فارغ التحصیل ہیں وہ بھی قرآن مجید کے درس میں حصہ لیتے ہیں غیر مذاہب کے متعلق ان کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے یہ ایک بیج ہے جو اس ادارہ تعلیم القرآن کی سرزمین میں بویا گیا ہے اور یہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا بہت بڑا شاہکار ہے جو اسی سال رونما ہوا ہے۔ اس کی تعمیر میں میاں عبد الرحمٰن صاحب اور کرنل سید بشیر حسین صاحب نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ اس ادارہ کا مجھے پرنسپل مقرر کیا گیا ہے مگر میں اپنے آپ کو ان طلباء کا بھائی سمجھتا ہوں، یہاں کوئی افسری ماتحتی نہیں۔ میں ان کو قرآن مجید پڑھاتا ہوں مگر ان کے سوالات سے جس کی ان کو کھلی اجازت ہے ان سے قرآن پڑھتا بھی ہوں گویا ہم سب مل کر قرآن مجید زیادہ سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور غیر مذاہب کے متعلق ان کے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

انتقال پُر ملال

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر انتہائی دُکھ ہوگا کہ جماعت کے درج ذیل احباب وخواتین رواں ماہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ ان احباب وخواتین کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔ آمین

(ا): ساس شکیل ہمایوں صاحب (جنرل سیکرٹری)، (اوکاڑہ)

(۲): ہمشیرہ رخسانہ قمر صاحبہ (اٹک)

(۳): ماموں عثمان احمد صاحب (ہری پور)

انگریزی سے ترجمہ: ہما خالد، ایم۔اے

برلین مسجد میں تبلیغی سرگرمیاں

رپورٹ ماہ اکتوبر 2017ء

از: عامر عزیز، ایم اے (امام برلین مسجد)

ترکی خواتین کے وفد کی آمد

یکم اکتوبر۔ 50 ترکی خواتین کا ایک وفد برلین مسجد تشریف لایا اور تحریک احمدیت کی دونوں جماعتوں میں فرق کے بارے میں سوال و جواب ہوئے۔ اس ماہ نزدیک اور دور ہر علاقے کے سکولوں اور اداروں کے مرد اور خواتین تشریف لائے۔ ان کو مسجد کی تاریخ اور اس کے کام کے بارے میں مختصر طور پر بتایا گیا۔ ترکی کے اس وفد کی سرکردگی ایک ترک امام کر رہے تھے۔

مساجد کے لئے ایک دن کی تقریب

3 اکتوبر۔ یہ دن قومی دن کے طور پر منایا جاتا ہے لیکن اس موقع پر تمام مذہبی اور سماجی مراکز بھی کھلے رکھے جاتے ہیں تا کہ لوگ ان کو دیکھ سکیں اور ان کے متعلق سوال و جواب بھی کر سکیں۔ اس دفعہ اللہ کے فضل سے 104 احباب و خواتین تشریف لائے۔ ان کو مسجد کی تاریخ، مذہبی افہام و تفہیم کے بارے میں سرگرمیاں اور تحریک احمدیت لاہور کے مقاصد کے متعلق آگاہ کیا گیا۔ آنے والے لوگوں کو برلین مسجد سے متعلق معلوماتی لٹریچر دیا گیا۔ اس دن مسجد صبح 10 سے شام 5 بجے تک کھلی رکھی گئی۔ امام مسجد اور ان کے معاون لوگوں کو خوش آمدید کہتے رہے اور گفتگو بھی ہوتی رہی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس دفعہ لوگوں کے ساتھ کافی بچے بھی آئے۔

5 اکتوبر۔ برلین مسجد میں پرانے دستاویزات اور تصاویر کو مختلف طریقوں سے محفوظ کیا جا رہا ہے۔ اس کام کا آغاز ہماری نہایت مخلص بہن ڈاکٹر گرڈین یونکر جو ایک محقق اور مصنفہ بھی ہیں نے کی تھی اور تحریک احمدیت کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھ چکی ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے امام ہاؤس اور اس کے تہ خانے اور مسجد میں موجود کتابوں کو مضمون وار ترتیب دیا۔ اور ان کے بارے میں نوٹس تیار کئے۔ اب انہوں نے پرانے کاغذات، خط و کتابت اور تصاویر کو محفوظ کرنے کے لئے ابتدائی کام شروع رکھا ہے۔ جب بھی ان کو فرصت ملتی ہے وہ سارا سارا دن امام ہاؤس میں اس بارے میں مصروف رہتی ہیں۔ اس سے مسجد کی ماضی کی کارگزاری اور سرگرمیاں، تشریف لانے والے احباب اور ان کی شخصی تفصیلات معلوم ہو سکیں گی۔ اس کام کی تکمیل سے برلین مسجد، اس کے اماموں اور آنے والے احباب کے متعلق قیمتی معلومات یکجا صورت میں محفوظ ہو جائیں گی۔

خواتین کے وفود کی آمد

12۔15 اکتوبر۔ ان دنوں میں خواتین کے مختلف گروپ برلین مسجد دیکھنے کے لئے تشریف لائیں۔ ان کو مسجد کی تاریخ اور اس کی تبلیغی سرگرمیوں سے آگاہ کیا گیا۔ ایک میاں بیوی جن کو مذہب سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی انہوں نے تحریک احمدیت کے مقصد اور مذہبی لوگوں میں افہام و تفہیم اور قریبی تعلقات بڑھانے سے متعلق اس کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ چند خواتین زائرین کو انگریزی ترجمۃ القرآن کی کاپیاں بھی تحفتہً دی گئیں۔

قرآن مجید کو حفظ کرنے کی یورپین تنظیم کی تقریب

22 اکتوبر۔ برلین کی مسلمانوں کی مرکزی تنظیم نے جس میں مختلف عرب ممالک کے لوگ شامل ہیں ایک سالانہ تقریب کا انعقاد کیا۔ یہ تقریب ہر سال ہوتی ہے۔ برلین کی دارالسلام مسجد میں یورپی ممالک کے مختلف اداروں سے حفاظ نوجوان نے اس میں شرکت کی۔ ان میں جرمنی کے مختلف علاقوں سے لوگوں نے بھی شمولیت کی۔ امام برلین مسجد محترم عامر عزیز صاحب کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ مختلف مسلم ممالک کے علماء نے اس میں شرکت کی اور مقابلہ میں حصہ لینے والوں کی قرآن کو حفظ کرنے کی قابلیت کو جانچا۔ جیتنے والے نوجوانوں کو حج ادا کرنے کے اخراجات ادا کئے گئے۔

برلین مسجد کے بارے میں ایک اہم خبر کی اشاعت

جرمنی کے ایک قدیم اور مشہور روزنامہ ڈیر واگس پیگل نے حال ہی میں 1920 کی دہائی میں شائع ہونے والی اہم اور دلچسپ خبروں اور مضامین کو دوبارہ شائع کرنے کے لئے ایک کالم شروع کیا ہے۔ اس میں مسجد برلین کے حوالے سے ایک نہایت دلچسپ اور اہم خبر جو مارچ 1929ء کی ہے دوبارہ برلین مسجد کی تصویر کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس مسجد کی تصویر میں ایک چھوٹی سرخی ''ولمرڈوف پر ہلال کا طلوع'' بھی لکھی گئی۔ مہینے کی ہر پہلی جمعرات کو امام ہاؤس میں میٹنگ ہونے کا ذکر تھا اور اس بات کا بھی ذکر تھا کہ ان اجلاسوں میں برلین کے انتہائی نامور اور تاریخ ساز محقق سائنسدان البرٹ آئن سٹائن بھی شریک ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ اس خبر میں ادبی دنیا کے بلند پایہ ادبی مصنفین اور ناول نگار اور شعراء مثلاً تھامس من، مارٹن بوبر و مارٹن نیمولر اور ہرمن ہسی بھی ان مجالس میں شریک ہونے والوں میں شامل تھے۔ اخبار کی مکمل رپورٹ کا انگریزی ترجمہ ہوپ نیوز لیٹر کے اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔ آئندہ ماہ کے شمارہ میں اس کا اُردو ترجمہ بھی شائع کیا جائے گا۔

ایک مصری ڈاکٹر کے یہودی لڑکی کو بچانے کے لئے انعامی سند

24 اکتوبر۔ مصر سے چند مہمان جن کا تعلق امریکہ اور فلسطین سے تھا برلین مسجد تشریف لائے۔ ان مہمانوں کا تعلق ایک دستاویزی فلم سے تھا جس میں ایک مصری ڈاکٹر ہالمی کی اس کاوش کو فلمایا گیا جس نے جنگ عظیم دوم کے دوران ایک یہودی لڑکی اور اس کے گھر کے افراد کو نازی ظلم سے بچایا تھا۔ اسرائیلی حکومت نے اس مصری ڈاکٹر کے بھتیجے ڈاکٹر ناصر کو خاص طور پر برلین بلوایا۔ یہودی لڑکی جس کو بچایا گیا تھا اس کی بیٹی اینی جو اس وقت امریکہ میں رہ رہی ہے وہ بھی اس تقریب میں شرکت کے لئے خاص طور پر برلین آئی۔ اس دستاویزی فلم میں برلین مسجد جو مسلمانوں کی اس شہر میں سب سے پرانی مسجد ہے اور مذاہب میں افہام و تفہیم اور یگانگت کے لئے جنگ عظیم دوم میں اور اب تک مرکزی کردار ادا کرتی رہی ہے۔ اس کے امام کا انٹرویو بھی شامل کیا گیا ہے۔

26 اکتوبر کو یہ خاص تقریب جرمنی کی امور خارجہ کی وزارت کے دفتر میں ہوئی۔ اس میں مصر کے سفیر اور ان کا عملہ بھی شریک تھا۔ مصری ڈاکٹر خاتون اینا اور ان کا وفد تقریب سے پیشتر برلین مسجد بھی آئے۔ اس خصوصی تقریب میں دستاویزی فلم کا ایک حصہ بطور تعارف کے بھی دکھایا گیا۔ اس موقع پر امام برلین مسجد کا مصری نائب سفیر اور ان کے عملہ سے تعارف ہوا۔ یہ دستاویزی فلم دنیا کے کئی ممالک میں دکھائی جائے گی اور اس کے ساتھ برلین مسجد اور اس کے امام کے اسلام کے بارے میں آفاقی نکتہ نگاہ بھی وسیع پیمانے پر لوگوں تک پہنچے گا۔ اس موقع پر مصر، جرمنی اور فلسطین تینوں ممالک کی میڈیا

ٹیمیں بھی موجود تھیں۔

بین الاقوامی مذاہب کے بارے میں تقریب

28 اکتوبر۔ برلین مسجد میں ایچ ڈبلیو پی ایل کی بین الاقوامی تنظیم کی برلین شاخ کی میٹنگ ہوئی۔ موضوع تھا ''آسمانی صحائف میں روحانی اقدار'' اس اجلاس میں اسلام، عیسائیت اور بدھ مت کے نمائندوں نے شرکت کی اور موضوع کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ امام برلین مسجد نے قرآن مجید کے حوالے سے اس موضوع پر روشنی ڈالی۔

برلین میں سیریا کے مہاجروں کی مسجد میں آمد

30 اکتوبر۔ برلین میں مقیم سیریا کے مہاجر بمعہ اہل وعیال اپنے ایک سربراہ کے ساتھ برلین مسجد تشریف لائے۔ برلین حکومت کی طرف سے ان کے لئے ایک پروگرام ترتیب دیا گیا ہے جس کے ذریعہ مختلف عبادتگاہوں، تنظیموں اور اداروں سے ان کا تعارف کروایا جاتا ہے۔ ان کو مسجد اور اس کی سرگرمیوں کا بتایا گیا اور تحریک احمدیت کے پیغام کی چیدہ چیدہ باتوں سے آگاہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ ایک مصری مترجم بھی تھا جو ساتھ ساتھ ترجمہ کر رہا تھا۔ ان میں چند لوگوں کو حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تصانیف کا عربی ترجمہ تحفۃً دیا گیا۔

سٹٹ گارٹ، جرمنی سے ایک وفد کی آمد

31 اکتوبر۔ 24 طلباء کا ایک گروپ سٹٹ گارٹ، جرمنی سے برلین مسجد تشریف لایا۔ اس گروپ میں سیریا اور مصر کے مسلمان طلباء بھی تھے۔ سوال و جواب کا سلسلہ تقریباً 2 گھنٹے تک جاری رہا۔ ان کو انگریزی ترجمۃ القرآن تحفۃً دیئے گئے۔

☆☆☆☆

اپیل دستکاری

ہر سال مرکز میں تنظیم خواتین کے زیر اہتمام نہایت خوبصورت دستکاری کی نمائش کی جاتی ہے۔ ان اشیاء کی فروخت سے ملنی والی رقم دینی اور فلاحی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے۔

گذشتہ سال دستکاری کی نمائش میں رکھی گئی اشیاء بہت خوبصورت اور بیش قیمت تھیں۔ اس وجہ سے نمائش نہایت کامیاب اور قابل تحسین رہی۔ یہ لائق فخر کامیابی صرف احمدی بہنوں اور بچیوں کے تعاون اور محنت سے ممکن ہوئی۔

اُمید ہے کہ آپ یہ اشیاء بنانے میں مصروف ہوں گی۔ اور ہمیشہ کی طرح جماعت احمدیہ لاہور کے عظیم الشان دینی جہاد میں آپ بھی شامل ہوں گی۔

آپ سب سے درخواست ہے کہ دستکاری کی نمائش کو گذشتہ سال سے بڑھ چڑھ کر کامیاب بنائیں۔ اس میں خود بھی حصہ لیں اور دوسری بہنوں کو بھی ترغیب دلائیں۔

شکریہ

آپ کے تعاون کی منتظر

بشریٰ علوی

انچارج دستکاری خواتین

مسلمانوں کے لئے ربیع الاوّل کا مہینہ اہم کیوں ہے؟

ثناء احمد (لاہور)

ربیع الاول اسلامی کیلنڈر میں تیسرا مہینہ ہے۔ مہینے اہم نہیں ہوتے ان کے اندر ہونے والے واقعات اس کی اہمیت بڑھا دیتے ہیں۔ ربیع الاوّل مسلمانوں کے لئے اتنا مقدس کیوں ہے؟ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس مہینہ میں نبیوں کے سردار، انسانیت کے حقیقی غم خوار اور خدا کے محبوب نبی کی پیدائش ہوئی جس کو رب کائنات نے بھی رحمت العالمین کے خطاب سے نوازا۔ خدا نے نبیوں کا ایک طویل سلسلہ رکھا۔ نبی عام انسانوں سے اشرف ہوتے ہیں۔ ان کی فطرت میں علم کے ساتھ رحم بھی رکھ دیا جاتا ہے۔ آدم سے لے کر نوحؑ تک آئیں تو حضرت نوحؑ نے ایک طویل زمانہ اپنی قوم کو راہ راست پر لانے میں گزار دیا۔ ابراہیمؑ جیسا سعید فطرت نبی اپنی آنے والی نسلوں میں نبیوں کا ایک طویل سلسلہ چھوڑ گئے۔ جہاں دو سلسلوں میں یعقوب کا سلسلہ نبیوں کا ایک کے بعد ایک جانشین آتا گیا اور سلیمانؑ، داوٗدؑ، موسیٰؑ اور یحییٰؑ جیسے نبی آئے۔ موسیٰؑ کو خدا نے بہت خوبیاں عطا کی تھیں۔ لاڈلے نبی تھے۔ بہت باتیں کیں اور فرعون جیسے سرکش پر فتح دی۔ مگر دوسرے سلسلہ اسماعیلی میں خدا نے اپنے محبوب اور پیارے کو آخری نبی بنا کر بھیج دیا۔ جس کے بعد نبوت کا بار کوئی نہیں اُٹھائے گا کیونکہ خدا نے اپنے ارادے کی تکمیل نبی آخر الزمان کی ذات میں کردی ہے۔ خدا کے ہاں دنیا کی ترقی اس کی تہذیب وتمدن میں مذہب کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ تہذیب وتمدن میں روم وفارس اپنے عروج پر تھیں مگر مذہب سے یہ قومیں اتنا ہی دور تھیں۔ مذہب کی تکمیل کہاں ہوئی۔ اسلام کے اندر، خدا کا پسندیدہ دین اسلام تھا اور محبوب نبی محمد صلعم۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے میرے اللہ تو نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی تخصیص دی ہے یعنی خاص صفت سے نوازا ہے۔ ابراہیمؑ کو تو نے خلیل کا لقب دیا، موسیٰؑ کو کلیم کہا۔ عیسیٰؑ کو روح اللہ کہا۔ میرے نام کے ساتھ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلعم میں نے تجھے سب سے خاص صفت عطا کی ہے۔ ان نبیوں کے ناموں کے ساتھ دنیا والی خصوصیات ہیں۔ میں نے تیرا نام اپنے نام کے ساتھ لگایا ہے۔ کلمہ میں جہاں لا الہ الا اللہ ہے وہ اپنا معنی پورا اس وقت تک نہیں دیتا جب تک کہ ساتھ محمد رسول اللہ نہیں لگایا جاتا۔ دنیا میں قیامت تک جب بھی دنیا والے مجھے یاد کریں گے وہاں تیرا بھی ذکر ہوگا۔ جب اذان میں میرا ذکر بلند ہوگا تیرے نام محمدؐ کی صدا بھی بلند ہوگی۔ میری وحدانیت کے ذکر کے ساتھ تیری رسالت کا ذکر ہر دم ہوگا۔ مگر افسوس آج نبی کا ذکر اور اس کی فضیلت صرف اتنی رہ گئی ہے کہ قمقمے لگا دیئے جائیں اور پہاڑیاں بنا کر مکہ اور مدینہ کا تصور دلایا جائے۔ دراصل نبی کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل ہی اُن سے محبت ہے۔ نبی کریم صلعم نے جو بچوں پر شفقت کی ہے بیواؤں کو سہارا دیا ہے، ماں کو جو درجہ دیا ہے آپ غور کریں کہ کیا آپ ایسا کرتے ہیں۔ آنحضور صلعم کا فرمان ہے: ''کاش میری ماں زندہ ہوتی وہ سوتے میں پانی مانگتی اور میں نماز میں کھڑا ہوتا۔ سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کررہا ہوتا، ماں کی آواز پر خدا کی قسم ماں کی طرف پانی لے کر لپکتا، ماں کو پھر اونگھ آجاتی اور میں ماں کے جاگنے کے انتظار میں اس وقت تک کھڑا رہتا تاوقتیکہ سحر ہوجاتی۔ کیا اس سے بھی بڑی کوئی امت کے لئے تربیت ہے۔ آنحضورؐ کا ماں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کسی جہاد پر جارہے تھے۔ کثیر تعداد میں صحابہ ساتھ فوج کی صورت میں موجود تھے، راستے میں ''ابوہ'' کا مقام ہے جو کہ راستے میں ذرا ہٹ کر ہے اور حضرت آمنہ کی قبر جس پہاڑی پر ہے وہ اسی راستے میں ہے، وہاں پہنچ کر آپ نے صحابہؓ کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور سواری سے اتر کر قبر کی طرف چلے، وہاں پہنچ کر قبر سے بے اختیار لپٹ گئے اور رونے لگے، کافی دیر کے بعد سیدھے ہوئے اور گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر سر مبارک اندر کرلیا اور اتنا روئے کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ آپ سسکیاں لے کر رو رہے تھے۔ بہت دیر کے بعد کچھ قرار آیا تو اتر کر صحابہ کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ آیئے ہم عہد کریں کہ ربیع الاوّل کے مہینہ کو صرف تقریروں، نعتوں تک ہی محدود نہ کریں بلکہ پوری زندگی ہر ہر روز نبی اکرم صلعم کی عادات حسنہ پر عمل کی کوشش کریں اور اپنے آپ کو اُمتی کہلانے کے قابل بنائیں۔

☆☆☆☆

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

عاجزی وانکساری خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہے

جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اسی جہاں میں باہر نہیں وہ اُس جہاں میں کبھی باہر نہیں ہوگا میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دور کریں میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کرلیا کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دور جاپڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے۔ جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا۔ صرف تقویٰ پہنچتی ہے ایسا ہی جسمانی رکوع سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع وسجود وقیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم رہو اور رکوع یہ کہ اس کی طرف جھکے اور سجود یہ کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دست بردار ہو۔ سوافسوس ہزار افسوس کہ ان باتوں کا کچھ بھی اثر میں ان میں نہیں دیکھتا مگر دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم زندگی ہے کئے جاؤں گا اور دعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے ان کے دلوں سے اٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کر دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ (شہادت القرآن)